ISSN - 2582-4619 - VOL 63 - ISSUE 03 - 10 DECEMBER 2025
TAMEER–E–HAYAT

# تعمیرِ حیات

لکھنؤ
پندرہ روزہ

## اسلام کو ہر مفاد پر ترجیح دیجیے

”علماء اور دانشوروں کا یہ فریضہ ہے کہ اسلام کے مفاد کو ہر جماعت، ہر ادارہ، ہر مدرسہ اور ہر گروہ کے مفاد پر ترجیح دیں، میں آپ سے صاف کہتا ہوں کہ اگر ہمیں معلوم ہو کہ سب جماعتوں کو مٹا دینا پڑے گا، سارے نشانوں کو نکال دینا پڑے گا، سارے ناموں کو ختم کر دینا پڑے گا، سارے بورڈوں کو ہٹا دینا پڑے گا اور اسلام اس ملک میں غالب رہے گا تو ہمیں ایک منٹ بھی اس میں پس و پیش نہیں ہونا چاہیے، ہمیں دین وملت کا مفاد ہر جماعت سے عزیز ہونا چاہیے، سہرا کسی کے سر بندھے سہرا ہونا چاہیے، حضور ﷺ کا معجزہ یہ تھا کہ صحابہ کرامؓ کے دل سے یہ شوق نکل گیا تھا کہ ان کا کارنامہ سمجھا جائے۔“

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

(دعوتِ فکر وعمل)

سالانہ زرِ تعاون ₹500
۱۰؍ دسمبر ۲۰۲۵ء
فی شمارہ -/25₹

بسم اللہ الرحمن الرحیم


# پندرہ روزہ تعمیرِ حیات لکھنؤ

ISSN 2582-4619

جلد نمبر ۶۳ | ۱۰؍ دسمبر ۲۰۲۵ء مطابق ۱۸؍ جمادی الثانی ۱۴۴۷ھ | شمارہ نمبر ۳


## اس شمارے میں


| عنوان | مصنف | صفحہ |
|---|---|---|
| سخنورانِ عہد سے خطاب | مولانا ظفر علی خاںؒ | ۴ |
| ’انہ من سلیمان‘ | محمد عمیر الصدیق ندوی | ۵ |
| سورۂ فاتحہ کی فضیلت | حضرت مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی | ۷ |
| کلمۂ توحید کا وزن | عبدالرشید راجستھانی ندوی | ۸ |
| خلفائے راشدین اور ان کے عظیم کارنامے | مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی | ۹ |
| اسلام دنیا میں رحمت کا سائباں | محمد ناصر ندوی پرتاپگڑھی | ۱۲ |
| مستشرقین اور عیسائی مشنریز | انیس احمد ندوی | ۱۳ |
| اللہ کی محبت کیسے حاصل کی جائے؟ | محمد سمعان خلیفہ ندوی | ۱۶ |
| روس میں اسلام اور مسلمان | مولانا سید عنایت اللہ ندوی | ۱۹ |
| قضیۂ سوڈان اور مسلمان | ڈاکٹر محمد فرمان ندوی | ۲۳ |
| رشد و ہدایت کا معجزۂ جاوداں | محمد جاوید اختر ندوی | ۲۵ |
| تعارف وتبصرہ | محمد اصطفاء الحسن ندوی | ۲۶ |
| جو عقل کا غلام ہو وہ دل نہ کر قبول | سیف الاسلام | ۲۸ |
| دوروزہ مشاورتی اجلاس مدارس ملحقہ | محمد نفیس خان ندوی | ۳۰ |
| سوال وجواب | مفتی محمد ظفر عالم ندوی | ۳۳ |



**سرپرست**

حضرت مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی

(ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

**مدیر مسئول**

شمس الحق ندوی

**نائب مدیر**

محمد عمیر الصدیق دریابادی ندوی

**معاون مدیر**

محمد اصطفاء الحسن کاندھلوی ندوی

محمد نفیس خان ندوی ❀ محمد جاوید اختر ندوی

**مجلس مشاورت**

مولانا عبدالعزیز بھٹکلی ندوی ❀ مولانا محمد خالد غازیپوری ندوی


قارئین محترم! تعمیرِ حیات کا سالانہ زرِتعاون ذیل میں دیے گئے اکاؤنٹ میں جمع کرائیں!

**TAMEER E HAYAT**
**A/c. No. 10863759868 (Current A/c.)**
**IFSC Code : SBIN0000125 -- Swift Code : SBINNB157**
**State Bank of India, Main Branch, Lucknow**

براہِ کرم رقم جمع ہوجانے کے بعد دفتر کے فون نمبر یا ای میل پر خریداری نمبر کے ساتھ اطلاع ضرور دیدیں۔


ترسیل زر اور خط وکتابت کا پتہ

**TAMEER–E–HAYAT**
Tagre Marg, Badshah Bagh, Lucknow - 226007, Call : 9559844716
website : http://tameerehayat.com - email : tameer1963@gmail.com


مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

| | | |
|---|---|---|
| سالانہ زرتعاون -/500 | فی شمارہ -/25 | ایشیائی، یورپی، افریقی وامریکی ممالک کے لئے۔ $100 |

ڈرافٹ منیجر تعمیر حیات کے نام سے بنائیں اور دفتر تعمیر حیات ندوۃ العلماء لکھنؤ کے پتہ پر روانہ کریں۔ چیک سے بھیجی جانے والی رقم صرف All CBS Payable Multicity Cheques روانہ فرمائیں، بصورت دیگر ‎₹30/=‎ جوڑ کر چیک دیں۔ براہ کرم اس کا خیال رکھیں۔

آپ کی خریداری نمبر کے نیچے اگر سرخ لکیر ہے تو سمجھیں کہ آپ کا زرتعاون ختم ہوچکا ہے، لہٰذا جلد ہی زرتعاون ارسال کریں۔ اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھیں، موبائل یا فون نمبر اور پتے کے ساتھ پن کوڈ بھی لکھیں۔ (منیجر تعمیر حیات)


پرنٹر پبلشر محمد طٰہٰ اطہر نے آزاد پرنٹنگ پریس، نظیر آباد، لکھنؤ سے طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت ونشریات ٹیگور مارگ، بادشاہ باغ لکھنؤ سے شائع کیا۔

شعروادب

# سخنورانِ عہد سے خطاب

مولانا ظفر علی خان مرحوم

اے نکتہ ورانِ سخن آرا و سخن سنج
اے نغمہ گرانِ چمنستانِ معانی

مانا کہ دل افروز ہے افسانۂ عذرا
مانا کہ دل آویز ہے سلمیٰ کی کہانی

مانا کہ اگر چھیڑ حسینوں سے چلی جائے
کٹ جائے گا اس مشغلہ میں عہد جوانی

گرمائے گا یہ ہمہمہ افسردہ دلوں کو
بڑھ جائے گی دریائے طبیعت کی روانی

مانا کہ ہیں آپ اپنے زمانے کے نظیریؔ
مانا کہ ہر اِک آپ میں ہے عرفیِؔ ثانی

مانا کہ حدیث خط و رخسار کے آگے
بے کار ہے مشائیوں کی فلسفہ دانی

مانا کہ یہی زلف و خط و خال کی روداد
ہے مایۂ گل کاریِ ایوانِ معانی

لیکن کبھی اس بات کو بھی آپ نے سوچا
یہ آپ کی تقویم ہے صدیوں کی پرانی

معشوق نئے، بزم نئی، رنگ نیا ہے
پیدا نئے خامے ہوئے ہیں اور نئے مانیؔ

مژگاں کی سناں کے عوض اب سنتی ہے محفل
کانٹوں کی کتھا برہنہ پائی کی زبانی

لذت وہ کہاں لعل لب یار میں ہے آج
جو دے رہی ہے پیٹ کے بھوکوں کی کہانی

بدلا ہے زمانہ تو بدلیے روش اپنی
جو قوم ہے بیدار یہ ہے اس کی نشانی

اے ہم نفسو یاد رہے خوب یہ تم کو
بستی نئی مشرق میں ہمی کو ہے بسانی

اداریہ

# ’انہ من سلیمان‘

محمد عمیر الصدیق ندوی

زمانۂ حال کے احوال دیکھنے اور سمجھنے کے لیے شاید یہ عمل قدرتی ہے کہ ماضی کے افعال کی گردان کی جاتی رہے۔ یہ گردان جتنی مضبوطی اور خوبی سے یاد ہوگی، مستقبل کے تمام صیغے اتنے ہی آسان ہوتے جائیں گے۔ پھر امر ونہی کے ابواب بھی اسی لحاظ سے دسترس میں ہوں گے۔

کھل کر کہا جائے تو سمجھ میں آتا ہے کہ زندگی کے سارے انقلاب وتغیرات، تاریخ کی جس پناہ گاہ میں موجود اور محفوظ ہیں، اسی کا دوسرا نام ماضی ہے۔ حال کیسا ہی دل شکن، دشوار گزار اور تنگ وتاریک ہو، یہ ماضی ہے جو حوصلوں اور عزیمتوں کے ذریعہ حال کی ایسی دست گیری کرتا ہے جس سے مستقبل کی راحت وحفاظت کی ضمانت کے امکانات روشن ہوجاتے ہیں۔ گزری ہوئی واقعاتی سچائیوں کی سب سے بڑی خوبی یہی بتائی گئی کہ اس سے حوصلوں اور امنگوں کو قوت فراہم ہوتی ہے۔

اسلام نے اپنے ماننے والوں کا مزاج، وقت گریزاں کو فراموش نہ کرنے کا ایسا بنادیا کہ فنِ تذکرہ وتاریخ، اسلامی ثقافت کی سب سے اہم شناخت میں بدل گیا۔

سید الطائفہ مولانا سید سلیمان ندویؒ نے ایک جگہ لکھا کہ: ’’افسوس ہے کہ میری قسمت، ماضی کی ورق گردانی سے کچھ ایسی وابستہ ہوگئی کہ حال بھی ماضی ہی بن کر سامنے آتا ہے، سید صاحبؒ نے یہ خوبصورت خیال یا فکر انگریز جملہ اس وقت قلم کے حوالہ کیا جب وہ اپنے خطوط کا ایک مجموعہ ’بریدِ فرنگ‘ کے نام سے مرتب کر رہے تھے۔

سید صاحب کی زندگی میں ان کے سفرِ انگلستان کی جو بھی اہمیت رہی ہو، ہمارے لیے اس کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یہ ندوہ ہی نہیں، علمائے ہند کی صف کی کسی علمی شخصیت کا انوکھا عملی ظہور ہے۔ قریب چھتیس سال کی عمر والے سید صاحب تازہ ندوی تھے؛ لیکن رکنِ رکین اس قافلے کے بنائے گئے جس میں مشہور انگریزی جریدہ ’کامریڈ‘ کے مشہور ترین مدیر مولانا محمد علی جوہر تھے، اور ساتھ ایک اور اعلیٰ درجہ کے انگریزی صحافی سید حسین شامل تھے۔

نوجوان اور ندوہ کی بہارِ اولیں کے پہلے غنچۂ شگفتہ، سید صاحب کی اس قافلہ میں ذمہ داری کیا تھی، وہ آج بھی غیر انگریزی درس گاہوں کے لیے حیرت انگیز ہی کہی جائے گی۔ ذمہ داری یہ تھی کہ انگریزی اخباروں میں مسلمانوں کے خلاف جو تحریریں نکلیں، ان کو پڑھ کر قابلِ لحاظ مضامین اور خبروں پر سرخ نشان لگانا تا کہ دیگر ارکان بھی ان کو بہ آسانی پڑھ لیں۔ اس کے علاوہ ان انگریزی مضامین کا جواب لکھنا۔ اب بظاہر یہ بات اتنی حیرت ناک نہیں؛ لیکن ۱۹۲۰ء میں کسی عربی درس گاہ کے عالم کی اس صلاحیت کی اہمیت کو آج بھی سمجھا جاسکتا ہے۔

’بریدِ فرنگ‘ کے خطوط میں غور سے دیکھا جائے تو اس خاص تعلیم وتربیت اور اس نئی نظر اور نئے زاویۂ فکر کا احساس ہوتا ہے، جس میں پرانی روایت اور نئی افادیت کی آمیزش، نیت اور عمل کو نئے تقاضوں کی میزان پر زیادہ کارگر بناتی نظر آتی ہے۔ مثال کے طور پر سید صاحب کے ان خطوط میں اُس زمانہ کے لحاظ سے ایسے خیالات وقیاسات ہیں، جن کو پیشین گوئی کا نام دیا جاسکتا ہے۔ سید صاحب نے قریب تیس برس بعد جب ان خطوط کو دیکھا تو اپنے ہی قیاسات کے غلط اور صحیح ہونے کا حساب کرنے لگے؛ لکھا کہ سیاست ایک دھوپ چھاؤں ہے، وہ دم بدم بوقلموں کی طرح رنگ بدلتی ہے (بوقلموں یا روم کے ریشم کی پہچان ہی یہی ہے کہ دیکھنے والے کی نظر میں اس کے رنگ ایک جیسے نہیں رہتے)۔ سیاست بھی یہی ہے کہ یہ کہا ہی نہیں جاسکتا کہ کل جو صحیح نظر آرہا تھا، وہ

آج کہاں تک صحیح باقی رہا، اور جو آج صحیح نظر آرہا ہے‘ وہ کہاں تک صحیح باقی رہے گا۔ وللہ الامر من قبل و من بعد۔

خطوط اگر سید صاحب کے ندوی قلم وفکر کے ترجمان ہوں تو پھر ان کے حکمت ودانائی کے رسالات میں بدل جانے کا منکر کون ہوسکتا ہے؟!!۔

آج، یعنی زمانۂ حال میں ماضی کی یہ باتیں خدا جانے کیوں سننے اور سنانے کا شوق بڑھادیتی ہیں؟!۔ اس احساس کی وجہ بھی اتفاق سے سید صاحب کی اس تحریر میں مل گئی، لکھا کہ: ”سیاسی حالات وقیاسات کی روشنی میں جس ’نوجوان اسلام‘ اور اسلام کی پرانی عمارت کی بجائے جس نئی عمارت کا نقشہ ہم کو عالمِ خیال میں نظر آیا تھا‘ مستقبل نے اس کو کس طرح صحیح اور سچا کردکھایا“۔

اس الہام اور اجمال میں ’ینگ ٹرکس‘ (Young Turks) اور خلافت کی جانب اور پھر ۱۹۵۰ء آتے آتے مغلوب ومحکوم مسلمان ملکوں کی آزادی کی جانب صریح اشارہ ہے۔ اس دلیل سے سید صاحب نے اس یقین کو آواز دی کہ: ”آج جہاں ہم کو شر نظر آرہا ہے، کیا عجب وہاں کل خیر ہی نظر آئے۔ وماذلک علی اللہ بعزیز“۔

ہمت کی بلندی اور عزیمت کی استواری‘ قوموں کی زندگی کے اصل عناصر ہیں۔

ہمت بلند دار کہ پیشِ خدا و خلق
باشد بقدرِ ہمتِ تو اعتبارِ تو

# اخلاص - عبادات کا جوہر

**مولانا عبدالماجد دریابادیؒ**

”نیکی کر دریا میں ڈال“ بہ ظاہر ایک عجیب سی ہدایت معلوم ہوتی ہے لیکن ذرا کی ذرا اگر نیکی کے مفہوم وحقیقت پر غور کرلیا جائے تو بات بالکل صاف اور سیدھی نظر آنے لگتی ہے تنکے کے اوٹ پہاڑ ہے۔ نیکی نام کسی مادی خارجی مجسّم چیز کا نہیں جس طرح بدی بھی کسی ایسی خارجی چیز کا نام نہیں بلکہ انسان کو جو قوتیں فطرت کی طرف سے عطا ہوئی ہیں۔ ان کا صحیح، معیاری صحت مندانہ استعمال ہی نیکی ہے (جس طرح اس کے برعکس ان کا غلط، مریضانہ، استعمال ابدی ہے) اس کارخانۂ عالم کو اگر کسی نے اندھے کی لاٹھی اور بالکل بے مقصد سمجھ لیا ہے، تو اس سے گفتگو تو کسی اور موقع پر کی جائے گی لیکن اگر یہ دنیا اور اس کے سارے موجودات کچھ مقصد وغرض رکھتے ہیں جیسا کہ ہندو، مسلمان، بودھ، مسیحی، سکھ اور پارسی سب ہی مانتے چلے آئے ہیں، تو یہ تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں کہ انسان سرآمد کائنات ہے، وہ کوئی نہ کوئی مقصد اور بہت بڑا مقصد اپنے وجود کا رکھتا ہے اور اس جسم وروح عقل و ہوش۔ دل ودماغ کی جتنی بھی قوتیں عطا ہوئی ہیں سب اسی مقصد کو انجام تک پہونچانے کے لیے ملی ہیں اور نیکی یا عبادت یہی ہے کہ انسان اپنی ہر خداداد قوت کو اس کے صحیح مصرف میں یعنی خدا کے بتائے ہوئے مصرف میں لائے، کھانا اگر آپ بھوک لگنے پر اور ضرورت کے اندازہ کے موافق کھا رہے ہیں تو یہ اپنے نفس کا حق ادا کرنا ہوا اور اپنی ذات کے ساتھ نیکی، علم کی دولت اگر آپ کے پاس ہے تو اس سے دوسروں کو نفع پہنچانا، انہیں بڑھانا بتلانا سکھانا، سب اسی علم کا حق ادا کرنا اور اپنا فرض ادا کرنا ہوا، اس میں کسی دوسرے پر احسان رکھنے کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، یہ تو اپنی شخصیت کی تکمیل کے لیے اپنے وجود کا حق ادا کرنے کے لیے ضروری ہوا۔

اور جب نیکی کی یہ حقیقت ایک بار ذہن نشین ہوگئی تو اب وہ ”دریا میں ڈالنے“ والی ہدایت بھی روز روشن کی طرح صاف اور بے غبار ہوگئی، فرض کیجیے کہ آپ کے پڑوس میں ایک صاحب فاقہ سے ہیں اور آپ کے پاس فراغت کے ساتھ کھانے، پینے، دینے کو کئی کئی کھانے موجود ہیں۔ تو اب جس طرح اپنا فاقہ توڑنے اور اپنی جان کو زندہ سلامت رکھنے میں آپ کی امداد قبول کرنے پر مجبور ہیں، اسی طرح آپ کی اپنی انسانیت کی تکمیل کے لیے اور اپنی حیات روحانی کو قائم وبرقرار رکھنے کے لیے بھی یہ ضروری ہے کہ آپ ان کی امداد کریں۔ اخلاص کے معنیٰ بھی یہ ہیں کہ جو کچھ بھی کیا جائے، اپنے مالک و پروردگار کی رضاجوئی کے لیے ہو کہ اسی میں تکمیل اپنی عبدیت وبشریت کی ہوتی ہے اور اسی سے ”قربِ حق“ کی منزلیں طے ہوتی ہیں، تو اگر کسی کے ساتھ سلوک کرتے ہوئے آپ کو خیال اس سے معاوضہ وصول کرنے کا آگیا تو یہ صاف سوداگری بلکہ سودابازی ہوگئی اور عبادت باقی ہی کہاں رہی! عبادت کا تو جوہر ہی اخلاص یا تعمیل ارشادِ ربّانی ہے۔

تعلیم القرآن

# سورۂ فاتحہ کی فضیلت

حضرت مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی (ناظم ندوۃ العلماء)

سورۂ فاتحہ سے قرآن مجید کا آغاز ہوتا ہے، اسی لیے اس کو ''فاتحہ'' کہتے ہیں، سورۂ قلم کی ابتدائی آیات نزولی لحاظ سے سب سے پہلے نازل ہوئی ہیں، لیکن ترتیب وتلاوت کے اعتبار سے یہ سورہ سب سے پہلی ہے اور اس کی بڑی فضیلتیں وارد ہوئی ہیں، اس سورہ کے بہت سے نام ہیں مثلاً: ''اُم الکتاب'' ''شافیہ'' ''وافیہ'' ''کافیہ'' وغیرہ، بعض روایتوں میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک صحابی سے یہ بات فرمائی کہ جب تم مسجد سے نکلو گے تو میں تمہیں قرآن مجید کی سب سے بڑی سورہ سکھاؤں گا، جب وہ باہر نکلے تو انہوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ نے یہ بات فرمائی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں بتایا کہ:

''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ هِيَ السَّبْعُ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنُ الْعَظِيْمُ الَّذِيْ أُوْتِيْتُهُ۔''

(الحمدللہ رب العالمین (سورۂ فاتحہ) حقیقت میں سات پڑھی جانے والی آیتیں اور عظمت والا قرآن ہے جو مجھے عطا کیا گیا ہے۔) (بخاری: ۴۴۷۴)

قرآن مجید کی سب سے عظیم سورہ ''سورۂ فاتحہ'' ہے، اس کے علاوہ بھی متعدد ایسی حدیثیں ہیں جن سے اس سورۂ شریفہ کی فضیلت سامنے آتی ہے۔

یہ سورہ پورے قرآن مجید کی تمہید ہے، اگر غور کیا جائے تو قرآن کے اندر جو مضامین ہیں' وہ بنیادی طور پر اس سورہ شریفہ میں موجود ہیں، قرآن مجید کا سب سے بڑا اور اہم ترین مضمون ''توحید'' ہے، اگر دیکھا جائے تو قرآن اس سے بھرا پڑا ہے، اللہ کی وحدانیت کا ذکر سب سے بڑھ کر قرآن مجید میں کیا گیا ہے، پھر اس کے بعد سب سے زیادہ قرآن مجید میں جس مضمون کا تذکرہ سب سے زیادہ ہے وہ ''آخرت'' ہے، بندہ جب اللہ کے حضور حاضر ہوگا اور قیامت میں اس کے سامنے کھڑا ہوگا' اس کا ذکر قرآن مجید کے اندر جابجا کیا گیا ہے، اس کے علاوہ ''صفات الٰہیہ'' کا بیان ہے، ان ساری چیزوں کو اگر دیکھا جائے تو بنیادی طور پر یہ سب مضامین اس سورہ شریفہ میں موجود ہیں، اسی لیے یہ بات کہی جاتی ہے کہ ہر کتاب کا ایک مقدمہ ہوتا ہے جس میں بڑی حد تک کتاب کا خلاصہ ہوتا ہے، اسی طرح سورۂ فاتحہ بھی گویا قرآن مجید کا مقدمہ ہے۔

اس سورہ کو ''شافیہ'' اور ''وافیہ'' بھی کہتے ہیں، اس لیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کے اندر امراض ظاہری وباطنی سے شفا رکھی ہے، بعض روایتوں میں اس کا تذکرہ بھی موجود ہے کہ ایک مرتبہ صحابہ کی جماعت کسی جگہ گئی، وہاں ان کی قوم کے سردار کو بچھو یا سانپ نے ڈس لیا تھا، تو کسی نے کہا کہ اگر آپ لوگوں میں سے کوئی ایسا ہو جو دم کرنا جانتا ہو تو وہ دم کردے، ایک صحابی نے کہا کہ میں دم کردوں گا لیکن شرط یہ ہے کہ بکریوں کا ایک ریوڑ دینا ہوگا، انہوں نے ان کی شرط منظور کرلی، پھر صحابیؓ نے اسی سورہ شریفہ کو پڑھ کر دم کیا اور الحمدللہ شفا ہوگئی، اس وقت صحابہ کی یہ جماعت فاقہ سے تھی تو اللہ نے ان کے لیے اس طرح انتظام کردیا، جب صحابہ کی یہ جماعت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی تو اس واقعہ کا تذکرہ کیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''أَصَبْتُمْ أَقْسِمُوْا وَاضْرِبُوْا لِيْ مَعَكُمْ بِسَهْمٍ۔'' (تم نے ٹھیک کیا، تم اس کو تقسیم کرلو اور اپنے ساتھ میرا بھی ایک حصہ رکھنا۔) (بخاری: ۵۷۴۹)

معلوم ہوا کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ عام طور پر رقیہ کی جو شکلیں ہوتی ہیں' ان میں سے اگر وہ رقیہ قرآن مجید سے ہے اور وہ ان میں سے نہیں ہے جن کے ذریعہ کبھی کبھی آدمی دوسرے رخ پر چلا جاتا ہے بلکہ اگر اللہ کا کلام پڑھ کر دم کردیا جائے اور اس سے شفا ہو تو اس کا ذکر حدیثوں میں ہے، خاص طور پر سورۂ فاتحہ کو شفا کہا گیا ہے۔

۞۞۞

## قرآنِ مجید کی تاثیر

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

''جب قرآن مجید میں آدمی کا جی لگنے لگتا ہے، تو انسانی تصنیفات سے جی گھبرانے لگتا ہے، انسانی کتابیں، انسانی تحریریں، انسانی تقریریں پست اور بے مغز معلوم ہونے لگتی ہیں، ادباء اور حکماء اور مفکرین کی باتیں طفلانہ اور عامیانہ نظر آتی ہیں جن میں کوئی گہرائی اور پختگی نہیں معلوم ہوتی، سفید کاغذ پر چھپے ہوئے سیاہ نقش ونگار کاغذی پھول معلوم ہوتے ہیں جن کا رنگ ہے خوشبو نہیں، انسان کا علم اُتھلا اور خالی معلوم ہونے لگتا ہے، اور اس کا دیر تک پڑھنا ذوق اور روح پر بار ہوتا ہے، ہر وہ چیز جو علوم نبوت کے سرچشمہ سے نہ آئی ہو، مشتبہ اور الفاظ کا طلسم معلوم ہوتی ہے، تسکین صرف وحی ونبوت کے راستے سے آئے ہوئے علم سے ہوتی ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا تک پہنچایا، اور جو وحی کی زبان میں قرآن مجید میں محفوظ ہے۔''

تعلیم الحدیث

# کلمۂ توحید کا وزن

عبدالرشید راجستھانی ندوی (استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء)

عَن عَبدِ اللهِ بنِ عَمرٍو رَضِيَ اللهُ عَنهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: تُوضَعُ المَوَازِينُ يَومَ القِيَامَةِ، فَيُؤتَى بِالرَّجُلِ، فَيُوضَعُ فِي كِفَّةٍ، وَيُوضَعُ مَا أُحصِيَ عَلَيهِ، فَتَمَايَلَ بِهِ المِيزَانُ، قَالَ: فَيُبعَثُ بِهِ إِلَى النَّارِ، فَإِذَا أُدبِرَ بِهِ، إِذَا صَائِحٌ يَصِيحُ مِن عِندِ الرَّحمٰنِ، يَقُولُ: لَا تَعجَلُوا، لَا تَعجَلُوا، فَإِنَّهُ قَد بَقِيَ لَهُ، فَيُؤتَى بِبِطَاقَةٍ فِيهَا: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، فَتُوضَعُ مَعَ الرَّجُلِ فِي كِفَّةٍ، حَتَّى يَمِيلَ بِهِ المِيزَانُ (الترمذي: ۲۶۳۹)

**ترجمہ:** عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”قیامت کے دن ترازو رکھے جائیں گے، ایک آدمی کو لایا جائے گا اور اسے ترازو کے ایک پلڑے میں رکھا جائے گا، اور اس کے وہ تمام اعمال جو اس پر شمار کیے گئے ہوں گے دوسرے پلڑے میں رکھے جائیں گے، تو ترازو اس کے خلاف جھک جائے گا۔ پھر حکم ہوگا کہ اسے جہنم کی طرف لے جایا جائے۔ جب اسے جہنم کی لے جایا جارہا ہوگا تو رحمن کے پاس سے ایک پکارنے والا پکارے گا کہ جلدی نہ کرو، جلدی نہ کرو، اس کے حق میں ابھی کچھ باقی ہے۔ پھر ایک ’بطاقہ‘ لایا جائے گا جس میں لکھا ہوگا: لا إله إلا الله۔ پھر اسے اس آدمی کے ساتھ پلڑے میں رکھا جائے گا تو ترازو اسی کے حق میں جھک جائے گا۔“

**تشریح:** قیامت کے دن انسان کے اعمال کا وزن ہوگا، قرآنِ مجید اس حقیقت کو بار بار بیان کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَنَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا یعنی ہم قیامت کے دن بالکل انصاف والی ترازو قائم کریں گے، اور کسی جان پر ذرا بھی ظلم نہیں ہوگا۔

ایک اور جگہ فرمایا: وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ (اس دن وزن کرنا برحق ہے)۔

اس پس منظر میں حدیثِ بطاقہ کا واقعہ اور زیادہ واضح ہوجاتا ہے۔ وہ شخص جس کے گناہوں کے دفتر ہوں گے جو ایک پلڑے میں رکھے جائیں گے، جب اس کے مقابلے میں کلمۂ توحید رکھا جائے گا تو وہ سب اعمال پر بھاری ہوجائے گا۔ اس سے یہ روشن ہوگیا کہ ایمان اور توحید ہی اصل نجات کا سرمایہ ہیں۔ اگر کلمہ دل میں اخلاص کے ساتھ جاگزیں ہو تو انسان اللہ کی رحمت سے محروم نہیں رہتا۔

ایک روایت کے الفاظ ہیں: ”فَتُوضَعُ الْبِطَاقَةُ فَتَطِيشُ السِّجِلَّاتُ وَتَثْقُلُ الْبِطَاقَةُ“ (جب وہ کارڈ رکھا گیا تو اعمال کے رجسٹر ہلکے پڑ گئے اور کارڈ بھاری ہوگیا) (ترمذی: ۲۶۳۹)۔

اور اسی حقیقت کو رسول اللہ ﷺ نے دوسری حدیث میں یوں واضح فرمایا: "مَنْ لَقِيَ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ وَلَا يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا، دَخَلَ الْجَنَّةَ، وَمَنْ لَقِيَ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ وَهُوَ يُشْرِكُ، دَخَلَ النَّارَ" یعنی جو بغیر شرک کے اللہ سے ملا وہ جنت میں داخل ہوگا، اور جو شرک کرتے ہوئے ملا وہ جہنم میں داخل ہوگا۔

یہ نصوص اس بات کی گواہی ہیں کہ توحید نجات کو لازم کردیتی ہے اور شرک ہلاکت کو یقینی بنادیتا ہے، یہی وجہ ہے کہ میزان میں سب سے وزنی چیز ایمان اور کلمۂ توحید ہے۔

قرآن نے دوسری طرف شرک کی تباہی کو بھی واضح کیا ہے۔ فرمایا: ﴿وَقَدِمْنَا إِلَىٰ مَا عَمِلُوا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنَاهُ هَبَاءً مَنْثُورًا﴾ (ہم ان کے کیے ہوئے عملوں کی طرف بڑھیں گے اور انہیں بکھری ہوئی دھول بنادیں گے) (الفرقان: ۲۳)۔

اور فرمایا: ”مَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا أَعْمَالُهُمْ كَرَمَادٍ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيحُ“ (کافروں کے اعمال اس راکھ کی مانند ہیں جسے تیز ہوا اڑا لے جائے)۔ (ابراہیم: ۱۸)

ان آیات کا مقصد یہ بتانا ہے کہ شرک اعمال کی بنیاد کو ختم کردیتا ہے اور سب اچھے عمل بے وزن ہوجاتے ہیں۔ اس لیے مومن کے لیے ضروری ہے کہ توحید کی حفاظت کرے اور اس کے اثر کو اپنے دل و عمل میں مضبوط کرے۔

ان تمام نصوص کا مقصد بندے کے دل میں امید اور خوف دونوں کو زندہ رکھنا ہے۔ اگرچہ گناہ زیادہ ہوں، کوتاہیاں بے شمار ہوں، لیکن اگر دل میں توحید زندہ ہو تو اللہ کی رحمت کی امید باقی رہتی ہے۔ مگر یہ امید انسان کو بے فکری یا غفلت پر آمادہ نہ کرے، کیونکہ قرآن ہی نے فرمایا: ”فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ، وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُولٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ“۔ (جن کے پلڑے بھاری ہوں گے وہی کامیاب ہوں گے، اور جن کے پلڑے ہلکے ہوں گے وہ نقصان اٹھانے والے ہیں) (الاعراف: ۹۸)۔

اس لیے مؤمن کو ہر وقت یہ خیال رکھنا چاہیے کہ نجات کی بنیاد توحید ہے، اور اعمالِ صالحہ اسی بنیاد کو مضبوط کرتے ہیں، اس لیے توحید اور اخلاص کے ساتھ نیک اعمال کی محنت جاری رکھنی چاہیے۔

نجوم تاباں

# خلفائے راشدین اور اُن کے عظیم کارنامے

مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی (معتمد تعلیم ندوۃ العلماء)

[یہ مولانا مدظلہ کی کتاب ”خلفائے راشدین اور اُن کے عظیم کارنامے“ پر انھی کا فاضلانہ مقدمہ ھے، جسے حسب ضرورت ترمیم کے بعد قارئین کے استفادہ کے لئے ’تعمیر حیات‘ میں شائع کیا جارھا ھے]

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهدیین۔ (میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت کو مضبوطی سے تھام لو)۔

رسول اللہ ﷺ نے خلفائے راشدین کی اطاعت کی بار بار تاکید فرمائی اور ان کے طریقہ کو اپنانے کا حکم دیا، قرن اول کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ”خیر أمتي القرن الذی بعثت فیهم“ (میری امت میں سب سے بہترین وہ صدی ہے جس میں میری بعثت ہوئی)۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے اسلام کو مکمل طور پر گلے لگایا تھا، اس برگزیدہ اور نبی کی تربیت یافتہ جماعت کا ہر ہر فرد پیغمبرانہ تربیت کا بہترین نمونہ اور نسل انسانی کے لیے سرمایۂ افتخار تھا۔

بلاشبہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی جماعت انبیاء کرام کے بعد سب سے زیادہ معزز اور بہترین انسانی نمونہ تھی، یہ جماعت رسول اللہ ﷺ کی محبت اور عشق میں اس قدر سرشار تھی اور اس کے ہر ہر فرد میں اطاعت وجاں نثاری کا ایسا جذبہ موجزن تھا جس کی مثال عشق و محبت کی تاریخ میں نہیں ملتی۔

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ رقمطراز ہیں: ”صحابہ کرام کی محبت و جاں نثاری، اطاعت و فرماں برداری، اپنے اور اپنے اہل وعیال پر رسول اللہ ﷺ کو ترجیح دینے کی ایسی ایسی مثالیں ہیں جن کو تاریخ انسانی نے نہ کبھی پہلے دیکھا ہے اور نہ ہی اس کے بعد دیکھ سکے گی،

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا ارشاد ہے:

”جس کو پیروی کرنا ہو اس کو چاہئے کہ وہ مرنے والے کی پیروی کرے، کیوں کہ زندہ فتنہ سے محفوظ نہیں ہے، یہ محمد ﷺ کے اصحاب ہیں جو اللہ اس امت کے سب سے بہترین لوگ ہیں، دل کے نہایت نیک، علم میں سب سے گہرے اور تکلف میں سب سے کم تھے، اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی صحبت اور اپنے دین کے قیام کے لیے اِن کا انتخاب فرمایا تم ان کی فضیلت سمجھو اور ان کے طریقہ کو اختیار کرو اور جس قدر ہو سکے اُن کے اخلاق اور دینداری کو اپناؤ اس لیے کہ وہ سیدھی راہ پر تھے۔

[شرح السنة للبغوی: ۱۴/ ۲-۱۵]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے فضائل میں بے شمار حدیثیں موجود ہیں، انہوں نے اسلامی احکام کو عملی جامہ پہنایا اور مشرق و مغرب میں اسلام کی اشاعت کی، وہ اپنے ذوق ومزاج اور فطری اوصاف وخصوصیات میں مختلف ضرور تھے لیکن اسلام کے نام پر سب شیر وشکر ہو گئے تھے، اعلائے دین اور اخلاص سب کا مقصود اور مطمحِ نظر رہتا تھا، ان کی زندگی کا مقصد ہی خلق خدا کی رہبری و رہنمائی تھی، صحابہ کرام جہاں بھی جاتے وہ انسانوں کی ہدایت و رہنمائی کا فریضہ ضرور ادا کرتے اور انسانی معاشرہ کو اسلامی اخلاق سے آراستہ کرنے کی فکر کرتے تھے۔

صحابۂ کرام دنیاوی معاملات میں جس طرح نہایت ذہین اور فہم وفراست کے مالک تھے، اسی طرح دین و آخرت کے معاملہ میں بھی زہد و ورع اور تقویٰ کی بلند چوٹی پر فائز تھے، وہ زمین میں اپنی بلندی اور شان وشوکت کے طلب گار نہ تھے اور نہ ہی زمین میں فتنہ وفساد کو پسند کرنے والے، بلکہ وہ تمام لوگوں کے لیے میزان عدل تھے، انصاف کے خوگر تھے، خواہ اپنے خلاف، اپنے والدین اور اعزہ و اقرباء کے خلاف ہی کیوں نہ ہو، وہ انسانیت اور دنیا کے لیے سرمایۂ نجات تھے اور اللہ کے دین کی دعوت ہمیشہ اُن کے پیش نظر رہتی، رسول اللہ ﷺ نے دنیا سے رخصت ہونے سے پہلے ان کو اپنا جانشین اور اپنے پیغام کا علمبردار بنا دیا تھا۔

خلفائے راشدین اس امت کے بہترین افراد تھے، اِن کا تذکرہ اللہ تبارک وتعالیٰ یوں فرماتے ہیں: كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ۔ [آل عمران: ۱۱۰]

(تم وہ بہترین امت ہو جو لوگوں کے فائدے کے لیے وجود میں لائی گئی ہے، تم نیکی کی تلقین کرتے ہو، برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔)

خلفائے راشدین کے بارے میں تواتر کے ساتھ یہ بات ثابت ہے کہ وہ مذکورہ صفات کے حامل تھے۔[ازالۃ الخفاء:۱/۲۱۸-۲۲۴]

نبی اکرم ﷺ نے صحابۂ کرام کی فضیلت اور ان کے درجات کی بلندی کا متعدد بار ذکر فرمایا ہے، یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ خلفائے راشدین کے درمیان خلافت کی ترتیب ایک خدائی اور ربانی ترتیب تھی۔[ازالۃ الخفاء:۱/۱۶۵]

حدیث سفینہ میں مذکور ہے:

**الخلافة بعدی ثلاثون سنة۔** (میرے بعد تیس سال تک خلافت رہے گی)۔

[ابن حبان:۱۵/۳۹۲، نمبر:۶۹۴۳]

حضرت علیؓ کی شہادت کا واقعہ رمضان ۴۰ھ میں پیش آیا، اس کے بعد حضرت حسنؓ نے خلافت کی باگ ڈور سنبھالی اور چھ مہینے چند دن اس مسند پر جلوہ افروز رہے، اس طرح حضرت حسنؓ کی مدت خلافت کو شامل کر کے خلفائے راشدین کی مدت خلافت تیس سال پوری ہو جاتی ہے۔[تاریخ الخلفاء"ص:۲۱۷-۲۱۸]

خلفائے راشدین کا اسوہ امت کے سامنے رکھنے اور اس سے استفادہ کرنے کی ہمیشہ ضرورت ہے، اس لیے کہ اُن کے زمانہ میں ہر طرح کے سیاسی، تربیتی، اخلاقی، فکری اور فقہی حالات و واقعات پیش آتے رہے، فتوحات کا دائرہ بھی وسیع سے وسیع تر ہوتا رہا مختلف قوموں کے ساتھ ان کا طریقۂ کار کے ذکر سے ان کی سیرت اور تاریخ بھری ہوئی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خلفائے راشدین کے اسی منہج کو اختیار کرنے اور ان کی سنت و اسوہ کو مضبوطی سے تھامنے کی تاکید فرمائی ہے، ارشاد نبوی ہے: **علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدين من بعدی۔** (تم میری سنت کو اور ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت کو مضبوطی سے تھام لو)۔[ابوداؤد:۴۶۰۷]

دوسری جگہ ارشاد ہے:

**تكون النبوة فيكم ما شاء الله أن تكون، ثم يرفعها إذا شاء أن يرفعها، ثم تكون خلافة على منهاج النبوة، فتكون ما شاء الله أن تكون، ثم يرفعها إذا شاء الله أن يرفعها، ثم تكون مُلكاً عَاضاً، فيكون ما شاء الله أن يكون، ثم يرفعها إذا شاء أن يرفعها، ثم تكون ملكا جَبرية، فتكون ما شاء الله أن تكون، ثم يرفعها إذا شاء أن يرفع۔**[مسند احمد:۴/۲۷۳]

(نبوت تمہارے درمیان رہے گی جب تک اللہ چاہے گا، پھر اس کو اللہ اٹھالے گا جب اللہ اٹھانا چاہے گا، پھر خلافت علی منہاج النبوۃ ہوگی جب تک اللہ چاہے گا، پھر اس کو اٹھالے گا جب اللہ اٹھانا چاہے گا، پھر ظالم حکومت ہوگی، اور جب تک اللہ چاہے گا وہ رہے گی، پھر اللہ جب چاہے گا اس کو اٹھالے گا، پھر جبر والی ملوکیت ہوگی، اور جب تک اللہ چاہے گا وہ رہے گی، پھر جب اللہ چاہے گا اس کو اٹھالے گا۔)

بعض محققین خلافت راشدہ کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں، پہلے دور میں اسلام کی اشاعت و ترقی اور دوسرے دور میں اس ترقی کے رک جانے کا تذکرہ کرتے ہیں، پہلے دور کو حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ سے منسوب کرتے ہیں اور دوسرے دور کو حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت علی مرتضیٰؓ سے منسوب کرتے ہیں، لیکن یہ بات محل نظر ہے، اس لیے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی خلافت نبوت کے مکمل نمائندہ تھے، ان کے درمیان فضائل ومناقب کے باب میں گرچہ کچھ تفاوت ہو لیکن دونوں خلافت راشدہ کی صحیح روح کی ترجمانی کرنے والے اور خلافت راشدہ کی عظمت واہمیت کے حامل تھے، خلافت راشدہ کا مطلب بلاد اسلامیہ کی کثرت اور فتوحات کی وسعت نہیں ہے، کیوں کہ اگر اسی کو معیار قرار دیا جائے تو عبدالملک بن مروان اور ہارون رشید خلفائے راشدین سے بھی بڑے خلیفہ قرار پاتے، حالاں کہ کوئی بھی اس کا قائل نہیں ہے، خلافت راشدہ دراصل پیغام محمدی کی تعبیر و تشریح اور اس کے مقاصد کی تکمیل کا نام ہے، رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو جو پیغام حق سنایا اور جس پیغام کی خاطر اپنی پوری زندگی وقف کی اور ایمان ویقین، اطاعت خداوندی، فکر آخرت، مال و دولت کی طلب میں اعتدال اور زہد وورع کی جو تعلیم دی تھی سب کا خلاصہ خلافت راشدہ میں پوشیدہ ہے، گویا یہ رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ کا عکس ہے، سیرت نبوی بھی اسی حقیقت کی تشریح وتعبیر ہے، اس حقیقت کو جو سمجھنا چاہے اس کو معرکۂ بدر وخندق، سفر تبوک، صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے واقعات کا مطالعہ کرنا چاہئے، رسول اللہ ﷺ کی تیئیس (۲۳) سالہ نبوی زندگی زہد و ورع اور صبر و مجاہدہ پر مشتمل ہے، جس کا سلسلہ شعب ابی طالب میں بنو ہاشم کے ساتھ محاصرہ سے شروع ہوتا ہے اور زندگی کے آخری ایام تک جاری رہتا ہے جب آپ کے گھر میں چراغ تک روشن نہیں ہو پاتا تھا اور وفات کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زرہ مبارک

ایک یہودی کے پاس تیس صاع جَو کے بدلے گروی رکھی ہوئی تھی۔[صحیح بخاری:۲۹۱]

خلفائے راشدین کی سیرت اور ان کے عہدِ خلافت کی تفصیل کو اگر ہم اس نظریہ سے دیکھیں تو یہ طریقۂ نبوی اور منہج رسالت کے عین مطابق نظر آتی ہے۔

تاریخ کے صفحات میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صبر واستقامت کے واقعات نمایاں طور پر درج ہیں، رسول اللہ ﷺ کی وفات کے دن ان کی ثابت قدمی اور استقامت، تاریخ کے نازک ترین وقت میں امت کو ایمان پر ثابت قدم رکھنا، فتنۂ ارتداد کی سرکوبی، جھوٹے مدعیان نبوت سے مقابلہ اور ان کے فتنہ کو ختم کردینا، یہ سب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اوراق زندگی کے روشن ابواب ہیں، انہوں نے اپنے دورِ خلافت میں فتوحات اسلامیہ کا دائرہ بھی بہت وسیع کیا، ایک ہی وقت میں رومیوں، ایرانیوں اور صلیب کے پجاریوں سے پنجہ آزمائی کی، بڑے بڑے ظالموں اور سرکشوں سے مقابلہ آرائی میں امت اسلامیہ کی قیادت فرمائی، حضرت اسامہ کے لشکر کو اس وقت ملک شام کی طرف بھیجا جب مرکز اسلام "مدینہ منورہ" کو اس لشکر کی موجودگی کی سخت ضرورت تھی، کیونکہ دشمنان اسلام نے "مدینہ منورہ" کو چہار جانب سے گھیر لیا تھا، لیکن رسول اللہ ﷺ کے حکم کی پیروی میں آپ نے کچھ بھی خیال نہیں فرمایا اور سخت حالات میں بھی دنیا کی دو بڑی طاقتوں (ایران و روم) کی طرف فوج کشی کی، یہ سب حضرت ابوبکر صدیقؓ کی عزیمت واستقامت اور ایمان واطاعت کے ایسے نمونے تھے کہ ان کی مثال انبیاء اور ان کے خلفاء کی تاریخ میں نہیں ملتی ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے روم، شام اور قادسیہ اور یرموک کی جنگوں میں بے مثال کردار ادا کیا، انہوں نے کبھی بھی لشکروں کی تعداد، ان کے ساز وسامان اور اسلحہ کی طرف نظر نہیں کی، بلکہ ہمیشہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ پر بھروسہ کیا اور اللہ کی مدد کے طلبگار رہے، انہوں نے اپنی فوج کو ہمیشہ نیک اعمال کرنے اور اچھے اخلاق برتنے کی دعوت دی، اللہ کے فضل و کرم سے ان تمام جنگوں میں اسلام کو غلبہ حاصل ہوا۔

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی کتاب زندگی کا بھی ایک ایک ورق نہایت شاندار اور روشن ہے، تاریخ پر نگاہ بصیرت رکھنے والے کو اس میں حضرت عثمان ذی النورین کی عظمت و بلندی کے جلوے نظر آتے ہیں، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس طرح اپنے ایمان میں نہایت درجہ راسخ العقیدہ تھے، اسی طرح بلند اخلاقی، علمی رسوخ، تعلق مع اللہ، سنت نبوی کی کامل پیروی میں نہایت ممتاز تھے، نیز سبائیوں اور ان جیسی جماعتوں کے مقابلہ میں پوری ثبات قدمی کے ساتھ اپنے منہج پر قائم رہے، یہاں تک کہ مظلومانہ طور پر آپ کو شہادت کا جام نوش کرنا پڑا، وہ اپنے زمانہ میں مالدار ترین لوگوں میں سے تھے، لیکن زندگی بھر اس زہد و ایثار کا پیکر بن کر رہے جس کو انہوں نے رسول اللہ ﷺ اور حضرات شیخین سے حاصل کیا تھا۔

چوتھے خلیفہ راشد، رسول اللہ ﷺ کے عم زاد بھائی سیدنا حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی زندگی کے اوراق کا مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت آشکارا ہوجاتی ہے کہ انہوں نے اپنے پیش روتینوں خلفاء کی جملہ خصوصیات کو اپنے اندر جمع کرلیا تھا، بعض محققین پر ان کی عظیم المرتبت شخصیت کے کچھ گوشے مخفی رہ گئے ہوں تو اس سے ان کی شخصیت کی بلندی میں کوئی فرق نہیں پڑتا، اہل سنت والجماعت ان کے مقام بلند اور رفعت شان کو اچھی طرح سمجھتے اور پہچانتے ہیں، وہ یہ بھی مانتے ہیں کہ جن صحابہ کرام نے ان سے اختلاف کیا تھا ان کا اختلاف ان کی اجتہادی غلطی تھی، اس لیے کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے اپنی پوری مدت خلافت میں وہی کام کیا جو خلیفہ ہونے کے اعتبار سے ان کا فرض منصبی تھا اور جس سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل ہوتی تھی، دنیا کی لذتوں سے وہ ہمیشہ کنارہ کش رہے، ان کا زہد وورع اخلاق نبوی کا پرتو اور حضرت ابوبکر صدیق، حضرت فاروق اعظم اور حضرت عثمان ذی النورین کی خلافت کا عکس جمیل تھا۔

خلفائے راشدین کی سیرت میں عبرت و نصیحت کا بیش بہا خزانہ موجود ہے، آج کے دور ترقی میں بھی اس سے بہت فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے، ان کی زندگی سے ہمیں دین پر ثابت قدمی اور ایمان واطاعت پر استقامت کا بنیادی سبق ملتا ہے، اس پُرفتن دور میں ان کی سیرت کا مطالعہ ایمان کی مضبوطی اور کتاب وسنت سے وابستگی کا سبب ہے، ان کی سوانح حیات اور ان کے کارنامے امت مسلمہ کے لیے ہر دور میں قابل تقلید نمونہ اور شاہراہ زندگی میں منارہ نور ہیں، امت مسلمہ خلفائے راشدین کے نقشہائے قدم پر چل کر آج بھی اپنی شب تاریک سحر کرسکتی ہے اور آسان ومشکل ہر طرح کے حالات میں ان سے فیض یاب ہوسکتی ہے، (رضی اللہ عن أبی بکر وعمر وعثمان وعلی وجزاھم عن الأمة الإسلامية)۔

دینِ رحمت

# اسلام دنیا میں رحمت کا سائباں

محمد ناصر ندوی پرتاپگڑھی (دبئی)

دنیا جب اپنی تاریخ کے صفحات پلٹتی ہے تو اسے وہ دور نظر آتا ہے جس میں ظلم کی دھند ہر افق پر چھائی ہوئی تھی۔ کہیں طاقت کمزور کو کچل رہی تھی، کہیں مال و زر ہی معیارِ انسانیت بن چکا تھا، کہیں رنگ ونسل کا غرور انسانوں کے درمیان دیواریں کھڑی کر رہا تھا، کہیں دل و دماغ وحشت کے شکار، قبائل خون کے پیاسے، تہذیبیں بے سمتی کی لپیٹ میں تھیں، اور انسان اپنے ہی ہاتھوں اپنا گلا گھونٹ رہا تھا، زمین کراہ رہی تھی اور آسمان اس طرزِ زندگی پر خون کے آنسو بہا رہا تھا۔ ایسے حالات میں ربّ کائنات نے اپنی سب سے بڑی نعمت، اپنی سب سے کامل ہدایت، اپنی سب سے تابناک روشنی اسلام کو دنیا پر سایۂ رحمت بنا کر اتارا، تاکہ تھکی ماندی انسانیت کو چین ملے، بھٹکے ہوئے قافلے کو منزل ملے، زخمی دلوں کو مرہم ملے، اور ظلم کی تپش میں جلتی ہوئی انسانیت کو راحت نصیب ہو۔

اسلام کی آمد دراصل وہ ربانی بارش ہے جس نے تپتے ہوئے صحرا کو گلزار بنا دیا۔ اُس کی کرنوں میں محبت ہے، اُس کے پیغام میں عدل ہے، اُس کی تعلیم میں رفق و کرم ہے، اُس کے مزاج میں خیر خواہی ہے۔ قرآن کریم نے سب سے پہلے انسان کو اس کی عظمت کا شعور دلایا: وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ (ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی) (الاسراء:۷۰)۔

انسان نے محسوس کیا کہ وہ محض مٹی کا پتلا نہیں، بلکہ تقدیرِ الٰہی کا شاہکار ہے۔ پھر قرآن نے اسے مقصد دیا، سمت دی اور بلندی کا راستہ دکھایا۔ اسلام نے اس کے ہاتھ سے ظلم کا ہتھیار لے لیا اور اس کے دل میں رحمت، محبت اور انصاف کے چشمے جاری کیے۔

رسول اللہ ﷺ کی بعثت اسی لئے ہوئی کہ انسانیت کی کشتی کو بھنور سے نکالا جائے۔ ارشاد ربانی ہے: ”وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ“ (ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے) (الانبیاء:۱۰۷)۔

یہ اعلان صرف عرب کے لئے یا کسی خاص قوم کے لئے نہیں بلکہ پوری دنیا کے لئے ایک آسمانی بشارت ہے کہ ظلم کی رات ختم ہونے والی ہے اور رحمت کی صبح طلوع ہونے والی ہے۔

اسلام کا سایۂ رحمت سب سے پہلے انسان کے دل پر اترا، کیونکہ دل جب نرم ہوتے ہیں تو معاشرے نرم ہوتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان دلوں کو جیت کر بدترین دشمنوں کو بہترین محافظ بنا دیا اور ایک ایسا انقلابی معاشرہ برپا کیا، جس میں قاتل معلم بنے، ظالم ناصح بنے، اور وحشی انسان مضافاتی قبیلوں سے اٹھ کر خیر کے سفیر بن گئے۔

یہ اسی رحمت کا فیض تھا کہ سخت سے سخت دل بھی پگھل گئے۔ نبی کریم ﷺ کی زندگی خود اس بات کی مثال ہے کہ رحم انسان کی سب سے بڑی طاقت ہے۔ طائف کی وادیوں میں پتھر برسانے والوں کے لئے بھی آپ نے بددعا نہیں فرمائی۔ اُحُد کے میدان میں زخمی ہونے کے باوجود آپ کی زبان پر شفقت تھی۔ مکہ کے فتح کے دن جب دشمن ہاتھ باندھے کھڑے تھے تو فرمایا: ”إذهبوا فأنتم الطلقاء“ (جاؤ، آج تم سب آزاد ہو)، دنیا نے ایسی وسعتِ قلبی اور ایسا کردار کبھی نہ دیکھا تھا۔

اسلام کا سایۂ رحمت صرف اخلاق تک محدود نہیں رہا، اس نے پوری سماجی زندگی کو عدل و احسان کا پیکر بنایا، غریبوں کو سہارا دیا، یتیموں کے سروں پر دستِ شفقت رکھا، عورتوں کو عزت دی، بچوں کو محبت دی، غلاموں کو آزادی کا پروانہ دیا، مظلوموں کے لئے پناہ گاہ بنا۔

اسلام نے معاشی نظام کو رحمت بنایا، عبادات کو تربیت بنایا، سیاست کو امانت بنایا، اقتدار کو خدمت بنایا، اور علم کو نورِ الٰہی کا پیرہن عطا کیا۔ اگر دنیا میں اسلام کا عدل وانصاف نافذ ہو جائے تو ظلم کا ہر زہر ٹھنڈا پڑ جائے اور کمزوروں کی چیخیں بند ہو جائیں۔

آج دنیا پھر اسی تپش میں گھری ہوئی ہے جس سے اسلام نے چودہ سو سال پہلے نجات دلائی تھی۔ طاقت کا غرور، معاشی ناہمواری، خاندانی نظام کی تباہی، ذہنی بے چینی، نوجوان نسل کی بے راہ روی، اور تہذیبوں کی بے سمتی انسانیت کو صحرائے دشت بنا رہی ہیں۔

جدید ترقی کا شور بہت ہے مگر دلوں میں سکون نہیں، عمارتیں بلند سے بلند تر تعمیر ہو رہی ہیں مگر کردار پست سے پست تر ہوتا جا رہا ہے۔ ٹیکنالوجی آگے بڑھ گئی مگر روح پیچھے رہ گئی، انسان مشینوں کے پیچ پستا جا رہا ہے۔

(بقیہ صفحہ ۱۵ر پر)

حق وباطل

# مستشرقین اور عیسائی مشنریز

## تعارف، مقاصد اور طریقۂ کار

انیس احمد ندوی (استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء)

اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل ودانش سے سرفراز فرمایا ہے اور اسی عقل ودانش کو استعمال کرکے وہ علم کی دولت حاصل کرتا ہے جو اس کی وجہ فضیلت ہے اور بسا اوقات اس علم کا غلط استعمال کرکے اسی علم کے ذریعہ وہ خالق کائنات کے خلاف بحث و نقاش کرنے لگتا ہے، **وھم یجادلون فی اللہ وھو شدید المحال۔**

زندگی اس روئے زمین پر اسی وقت اچھی سمجھی جاسکتی ہے جب انسان محنت، جانفشانی، ایمانداری نیکی اور صلاح وتقوی کی زندگی گزارے اور اس سلسلہ میں حارج ہونے والی صفتی اور جوہری چیزوں سے اپنے آپ کو محفوظ رکھے، مفسدین کے فساد، ان کی شرارتوں، چالوں، مکاریوں اور سازشوں اور علم کے نام کی جانے والی کاوشوں سے بھی اپنے کو بچائے۔

مستشرقین ان مغربی مفکرین، مصنفین اور مؤرخین کو کہتے ہیں جنھوں نے مشرقی معاشروں، تہذیب و ثقافت، مذہب اور معاشرتی اقدار کا خاص طور پر عرب، اسلام اور اسلامی دنیا کا گہرا مطالعہ کیا، اور ان کا مقابلہ مغرب اور دیگر یوروپین ممالک کی اقدار وتعلیمات اور روایتوں سے کیا ہو، اسلام کے خلاف روز ازل سے بہت سے طاقتیں نبرد آزما رہی ہیں، ان میں سے ایک بڑی طاقت مستشرقین (Orientalists) کی رہی ہے، دوسرے نمبر پر میشنریز یا عیسائی میشنریز Christian Missionaries ہیں اور ان دونوں سے روشنی، افکار و نظریات حاصل کرکے وہ جماعت یا گروہ وجود میں آیا جسے آر ایس ایس کے نام سے جانا جاتا ہے، سابق الذکر دونوں جماعتیں بہت قدیم ہیں اور ابتدائی دور ہی سے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ریشہ دوانیاں کرتی رہی ہیں جبکہ آخر الذکر جماعت یہ صرف سو برس پرانی ہے، گرچہ ہندوازم کی بالا دستی کے لئے اس سے پہلے بھی کوششیں کی گئی ہیں لیکن وہ منظم نہیں تھیں، اسلام اور مسلم کلچر وثقافت کے خلاف سب سے زیادہ منظم و مربوط اور گہری کوشش بلکہ سازش مستشرقین نے کی، انھوں نے اسلام کے صاف ستھرے چہرے کو مسخ کرنے کی اور اسے بدنام کرنے کی ہزار کوششیں کر ڈالیں، بالفاظ دیگر مشرقی علوم وفنون، معاشرہ، ثقافت اور تمدنی علوم کو تنقیدی نظر سے دیکھنے کا عمل استشراق کے نام سے جانا جاتا ہے اور جو اس فن کو عملی طور پر انہی اغراض و مقاصد کے لئے اختیار کرتا ہے اسے مستشرق کہا جاتا ہے۔

یہ لوگ اپنے تجزیہ کو ثقافتی اور تعلیمی مطالعہ کا نام دیتے ہیں اور دعوی یہ کرتے ہیں کہ ہم علم دوست ہیں یا محض علمی مطالعہ پیش کر رہے ہیں لیکن حقیقت میں یہ ایک کوشش ہوتی ہے جس کے ذریعہ مغرب اپنی ثقافت، اس کے استعماری مفادات اور اسکی مذہبی تعصّبات کو اسلام اور مسلمانوں کے مقابلہ میں برتر اور فائق ثابت کرنا چاہتا ہے، مستشرقین مشرق کو (خاص طور پر اسلام اور مسلمانوں کو) پسماندہ، غیر معقول، استبدادی اور کمتر نیز گھٹیا بنا کر پیش کرتے ہیں جبکہ اس کے مقابلہ میں مغرب کو معقول یعنی تعقل پسند، ترقی پسند اور برتر بنا کر پیش کرتے ہیں محل وقوع کے لحاظ سے چونکہ اسلام کا اصل مہبط وحی مشرق میں واقع ہے اس لئے اسلام اس کے علوم وفنون اس کی ثقافت اور تعلیمات کے مطالعہ کو استشراق کے نام سے موسوم کیا گیا یعنی وہ شخص جو مشرق، اس کے علوم وفنون، تاریخ وتمدن اور خصوصا اسلام کی جانکاری حاصل کرے۔

اٹھارویں صدی سے بیسویں صدی کے دوران بہت سارے مستشرقین نے استشراق کے تحت صرف اسلام اور مسلمانوں کا گہرا مطالعہ کیا اور یہ مطالعہ اخلاص، شوق علم یا عزت واحترام کی نیت سے نہیں بلکہ اسلامی تعلیمات کو مسخ کرنے اور بدنام کرنے کی نیت سے اور مسلم معاشروں کو کمزور کرنے کے لئے انھوں نے قرآن کریم اور حدیث شریف کی غلط ترجمانی کی، اسلام کو بدنام کرنے کے لئے، اس کو متشدد اور غیر معقول دکھانے کے لئے اسلامی تعلیمات کو جو تمام تر قرآن اور حدیث پر مبنی ہیں توڑ مروڑ کر پیش کیا، مستشرقین نے جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی پاکیزہ شخصیت، آپ کی سیرت وکردار پر طرح طرح کے گندے الزامات عائد کیے اور آپ پر خیانت اور سیاسی کردار ہونے کا سنگین الزام لگایا، اور اسلامی تہذیب کے متعلق یہ الزام لگایا کہ یہ اصل نہیں ہے بلکہ قدیم ایرانی اور یونانی تہذیب کا عکس ہے، غرضیکہ انہوں نے اس

طرح کے غیر معقول الزامات اسلام کے خلاف خوب خوب پھیلایا۔

سید سلیمان ندویؒ "اسلام اور مستشرقین" جلد اول صفحہ ۹۸ پر رقمطراز ہیں: گویا اہل فرنگ نے ہماری دولت، سطوت اور اقتدار تو چھینا ہی تھا ہمارا سب سے قیمتی سرمایہ یعنی ہمارے علوم بھی چھین لئے، علوم سے مراد کتابیں ہی نہیں وہ زاویہ نگاہ بھی ہے جو علم کا سرچشمہ ہے، ہم سے وہ زاویہ نگاہ چھین لیا، ہم سے جستجو اور آرزو چھین لی، ہم سے وہ جذبہ چھین لیا جو حقیقت کی تہہ تک پہنچنے کے لئے بیتاب رہتا ہے، جو علم کے وسیلہ سے کائنات کو تسخیر کرتا ہے، جو انسان کے ذہنی افق کو بیکراں اور اس کے حوصلہ کو فلک شگاف بنا دیتا ہے، کتابیں ہاتھ سے کیا گئیں آفاق کی قیادت ہاتھ سے چھن گئی، پیش رفت کا اسم اعظم حافظہ سے محو ہوگیا، جو صاحب ایجاد تھے زندانی تقلید بن گئے، جو عہد آفریں تھے عہدی بن گئے، اب ہم شکوہ سنج ہیں کہ اہل مغرب نے اپنی کتابوں میں ہمارے ساتھ انصاف نہیں کیا، مستشرقین کا رویہ ہمارے ساتھ غیر منصفانہ اور معاندانہ رہا ہے۔

دوسرے نمبر پر مشنریز کے لوگ ہیں جو پوری دنیا میں تبشیر کا یعنی عیسائیت کی تبلیغ کا کام کرتے ہیں، ان کا طریقہ علم کیا ہے؟ یا مشینریز کا مطلب کیا ہے؟ عیسائی میشنری ہر اس شخص یا گروپ کو کہتے ہیں جس کو چرچ کے ذریعہ عیسائیت کے پیغام کو پھیلانے، انجیل کی تعلیم عام کرنے اور لوگوں کو عیسائیت میں داخل کرنے کے لئے بھیجا گیا ہو۔

Missionary لفظ لاطینی لفظ Missio سے نکلا ہے جس کا مطلب ہوتا ہے بھیجنا، اس لئے اس کے لفظی معنی ہیں وہ لوگ جنھیں عیسائیت کی تبلیغ، تعلیم اور مذہب میں داخل کرنے کے لئے بھیجا گیا ہو، عیسی علیہ السلام کی وفات کے بعد سے ہی میشنیریز نے اپنا کام شروع کردیا تھا پہلی صدی مسیحی سے عیسیؑ کے شاگردوں نے خاص طور پر سینٹ پال نے عیسائیت کو پورے رومن امپائر میں خصوصا یونان، روم اور ایشیائے کوچک میں پھیلایا، اس کو عیسائیت کی تبلیغ کا سب سے پہلا دور تصور کیا جاتا ہے، اس بعد عیسائیت پورے یوروپ اور افریقہ میں پھیلتی رہی، سینٹ پیٹرک اور سینٹ آگسٹائن نے پورے پورے علاقہ اور قبیلہ کو عیسائی بنا دیا، عیسائی میشنیریز کی ترقی کا دور اس وقت شروع جب اسپین، پرتغال، فرانس اور بعد ازاں برطانیہ نے اپنی استعماری طاقتوں کو پھیلانا اور بڑھانا شروع کیا، یہ طاقتیں جہاں جہاں گئیں عیسائی میشنیریز بھی ان کے ساتھ ملک میں داخل ہوئیں اور یہی وہ خاص دور ہے جس کو استعماری میشنیریز کے دور سے یاد کیا جاتا ہے اور یہ ۱۵۰۰ سے ۱۹۰۰ عیسوی تک ہے، یہ میشنیریز استعماری طاقتوں کے ساتھ ساتھ اسپین، پرتغال، برطانیہ اور فرانس میں داخل ہوئیں اور انھوں نے چرچ تعمیر کرائے، اسکول بنایا، ہاسپیٹل بنوائے، چھاپے خانے قائم کیے اور جگہ جگہ بائبل کے ترجمہ کے مراکز قائم کیے، استعماری طاقتیں ان کو مکمل تحفظ فراہم کرتی تھیں جس سے ان کی حفاظت کے ساتھ ان کی بالادستی بھی قائم ہوتی تھی، بہت سارے مقامات پر مذہب وسلطنت نے ساتھ ساتھ کام کیا یعنی صلیب اور حاکم یا شہزادہ دونوں سلطنت کے چلانے اور عیسائیت کے فروغ کے لئے کام کرتے تھے۔

## عیسائی مشنریز کے مقاصد

مشینریز کے بہت سارے مقاصد تھے، گرچہ وہ ظاہر یہی کرتے ہیں کہ ان کے مقاصد خالص مذہبی ہیں، مذہب کی نشر واشاعت، غیر عیسائی لوگوں کو عیسائیت میں داخل کرکے انہیں نجات دلانا ان کا مقصد ہے لیکن ان کے مقاصد خفیہ طور پر سیاسی اور ثقافتی ہوتے ہیں ان کے سب سے اہم مقاصد غیر عیسائی لوگوں خاص طور پر مسلمانوں، ہندوؤں اور بدھسٹ لوگوں کو عیسائیت میں داخل کرنا، لوگوں کو مغربیت یا مغرب پسندی، مغرب کی تہذیب و ثقافت زبان و اقدار قبول کرنے کی دعوت دینا، استعماری طاقتوں کا تعاون کرنا، مقامی زبان و روایات اور عقائد کا مطالعہ کرنا، اس کے متعلق کتابیں لکھنا اور ایسی رپورٹیں جمع کرنا ہیں جس سے مغربی استعمار کا تعاون ہوسکے۔

یہ بات سب کو معلوم ہے کہ ان کی کوششیں متعدد الجہات ہوتی ہیں، ایک طرف وہ معاشرہ کی ترقی میں مثبت انداز میں حصہ لیتی ہیں، اسکول، کالجز اور یونیورسیٹیز بناتی ہیں، ہاسپیٹل قائم کرتی ہیں، مقامی زبانوں کو پڑھتی ہیں اور مسودات کے تحفظ کا کام کرتی ہیں جبکہ اس کے ساتھ ساتھ درپردہ بہت سارے منفی کام بھی کرتی ہیں، لوگوں پر دباؤ ڈال کر نیز اقتصادی ترغیبات کے ذریعہ یا استعماری طاقتوں کا دباؤ استعمال کرکے اجتماعی تبدیلیٔ مذہب کرانا، اسلام اور دیگر مذاہب کی اقدار و روایات، ثقافت اور تعلیمات کو منہدم کرنا، مغرب کی ثقافت کو ہر اعتبار سے فائق اور بہتر ثابت کرنا، جو لوگ عیسائیت اختیار کرلیتے ہیں اور نہ کرنے والوں کے درمیان دراڑ پیدا کرنا وغیرہ۔

یہ بات بھی روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ مشنریز اور مستشرقین میں بڑا گہرا ربط رہا ہے، مستشرقین اسلام کے خلاف متعصّبانہ اور غیر منصفانہ بلکہ ظالمانہ نظریات پیش کرتے تھے اور مشینریز کے کارندے ان کو پھیلاتے تھے اور

اسے اسلام کے خلاف نیز عیسائیت میں داخل کرنے لے لئے استعمال کرتے تھے، مستشرقین یونیورسیٹیز، کالجز اور حکومت میں مختلف عہدوں پر کام کرتے ہیں جبکہ میشنیریز کالونیوں، اسکولوں اور گرجا گھروں میں کام کرتی ہیں، مستشرقین کی تحریروں نے مشرق کے تئیں یوروپ کے نظریات وخیالات کو متاثر کیا اور انھی خیالات و نظریات کو مشینیریز نے دنیا پر مغرب کے تسلط کے قیام کی خاطر استعمال کیا اس طرح دونوں نے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف مل کر کام کیا اور پروپیگنڈہ کیا، خلاصہ یہ ہے کہ عیسائی میشنریز کی تحریک دنیا کی سب سے بڑی مؤثر، طاقتور سیاسی، ثقافتی اور مذہبی تحریک ہے جس نے تعلیم اور صحت کے میدان کا غلط اور بدنیتی کے ساتھ استعمال کرکے اسلام اور مسلمانوں کو پوری دنیا میں بدنام کیا، اس کی روشن شبیہ کو داغدار کرنے کی کوشش کی نیز مقامی ثقافتوں اور دیسی ماحول پر بہت برا اثر ڈالا اور اسے نیچا کر دکھایا اور حیرت یہ کہ انھوں نے یہ سب کام مذہب کے نام پر اور انسانیت کو نجات دلانے کے نام پر کیا۔

خلاصہ یہ کہ ان کا خاص مقصد روز اول سے اسلام کو بدنام کرنا، لوگوں کو اس سے بدظن کرنا، عیسائیت پھیلانا اور پوری دنیا میں مغرب کی مذہبی، سیاسی اور اخلاقی بالادستی قائم کرنا رہا ہے۔

ان دونوں طریقہ کار سے ہدایات اور روشنی حاصل کرکے ملک میں ایک اور تنظیم وجود میں آئی، یہ تحریک آر ایس ایس (راشٹریہ سویم سیوک سنگھ) کے نام سے جانی گئی، یہ ۱۹۲۵ء میں کیشیو بلی رام ہیڈگیوار کے ذریعہ ناگپور میں قائم کی گئی، اس کا مقصد بھی بظاہر ہندوؤں کے درمیان بیداری، نظم وضبط نیز معاشرتی اتحاد پیدا کرنا تھا، لیکن اس تحریک کے بھی مثبت مقاصد کے نام پر بہت سارے منفی مقاصد ہیں جو ملک کی اتحاد وسالمیت کے لئے خطرہ ہیں، یہاں کی گنگا جمنی تہذیب کے لئے چیلنج ہیں خاص طور پر مسلمانوں، عیسائیوں اور دلتوں کیخلاف ان کے نفرت پھیلانے کا عمل بہت خطرناک اور قابل مذمت ہے، ہندوتوا کا احیاء، ہندو راشٹرا کا قیام، اور ہندو تشخص کی جڑوں سے وابستہ قومیت کا ان کا مخصوص نظریہ بھی متنازع رہا ہے جس کے ذریعہ مذہبی اور ثقافتی کمیونیٹیز کو حاشیہ پر لگانے کا کام کیا جارہا ہے، تہمیش اور ان کے مخصوص نظریات کی بنا پر ملک میں تعصب، نفرت، فرقہ واریت اور عدم رواداری بڑھ رہی ہے، گرچہ اس پر کئی بار پابندی لگائی گئی لیکن جلد ہی پابندی ختم ہوگئی، یہاں صدیوں سے رنگارنگی رہی ہے، کثرت میں وحدت ہی اس کی شان ہے اسے برقرار رکھنا ضروری ہے۔

## بقیہ صفحہ ۱۲؍کا

رشتے کمزور ہورہے ہیں، دل ویران ہورہے ہیں، ایسے پُرآشوب دور میں اسلام کا پیامِ رحمت پھر سے انسانیت کو آواز دیتا ہے: يَهْدِي بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلَامِ (اللہ اس کے ذریعے سلامتی کے راستے دکھاتا ہے)۔ (المائدۃ:۱۶)

اسلام کی رحمت کا سب سے بڑا مظہر اس کا عقیدۂ توحید ہے۔ توحید انسان کو ہر خوف، ہر غلامی، ہر محتاجی سے آزاد کردیتی ہے۔ اسے صرف اللہ کے سامنے جھکنا دراصل اسے ہر در کے سامنے جھکنے سے بچاتا ہے۔ یہی آزادی انسان کے اندر وقار، حوصلہ اور طاقت پیدا کرتی ہے۔ ارشاد ربانی ہے: ''وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ'' (میری رحمت ہر چیز پر چھا گئی ہے)۔ (الاعراف:۱۵۶)

یہ اعلان انسان کو ناامیدی کے عذاب سے نکال کر امید کی روشنی میں لے جاتا ہے۔ اسلام چاہتا ہے کہ کوئی دل مایوس نہ ہو، کوئی انسان ٹوٹ کر بکھر نہ جائے، کوئی روح ظلمت میں نہ ڈوب جائے، اس لئے اس نے توبہ کا دروازہ کھلا رکھا، دعا کی دولت سب کے لئے عام رکھی، اور فضل ورحمت کے چشمے ہر وقت جاری رکھے۔

اسلام کا سایہ رحمت عالمی ہے، تمام نسلوں، تمام قوموں، تمام زمانوں اور تمام انسانوں کے لئے یکساں ہے۔ اگر دنیا اس رحمت کو قبول کرلے تو جنگوں کی آگ بجھ جائے، فساد کے بازار ماند پڑ جائیں، اور انسانیت امن کی آغوش میں آجائے۔ مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ خود اسلام کے اس سایہ رحمت کے سچے ترجمان بنیں۔ ہمارا کردار، عمل، گفتگو اور معاشرہ اسلام کی رحمت کا عکس بن جائیں۔ جب مسلمان خود اسلام کے ادب، حلم، نرمی اور درگزر کے پیکر بن جائیں تو دنیا خودبخود اس روشنی کی طرف کھینچی چلی آئے گی۔

اسلام تلوار نہیں، چراغ ہے۔ نفرت نہیں، محبت ہے۔ قید نہیں، آزادی ہے۔ خوف نہیں، امن ہے۔ زخم نہیں، مرہم ہے۔ ساری دنیا کے لئے سایۂ رحمت ہے۔ اسلام آج بھی اسی طرح مہربان ہے جیسے اُس دن تھا جب پہلی بار اس کے نور نے صحرا کی تپتی ریت کو ٹھنڈک دی تھی۔ یہ سایہ آج بھی قائم ہے، کل بھی رہے گا، اور تاقیامت انسانیت کے لئے امید، امن اور روشنی کا سب سے بڑا ٹھکانہ یہی رہے گا۔ کیونکہ اسلام صرف ایک دین نہیں بلکہ انسانیت کے لئے اللہ کی سب سے بڑی خیرخواہی اور دائمی سایۂ رحمت ہے۔

عشق و محبت

# اللہ تعالیٰ کی محبت کیسے حاصل کی جائے؟

محمد سمعان خلیفہ ندوی (بھٹکل)

ہم اہل ایمان ہیں، نبی پاک ﷺ کے امتی ہیں، ہم میں سے ہر ایک کی خواہش اور تمنا ہے کہ اسے اللہ کی محبت حاصل ہو؛ تو اس کا کیا راستہ ہے؟ یہ ایک سوال ہے جو ذہن کی سلوٹوں پر ابھرتا ہے، آیئے قرآن وحدیث کی روشنی میں اس کا جواب تلاش کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیدا فرمایا، ان کو ارادہ اور اختیار کی آزادی دی، انھیں راہِ عمل بھی دکھائی "وھدینٰہ النجدین" اور اپنے انبیائے کرام کو بھی بھیجا، تو ان میں کچھ نے اطاعت کی اور کچھ نافرمان ہوئے، کچھ پرہیزگار ہوئے اور کچھ بدبخت۔ مقصد حیات کو واضح کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "وما خلقت الجن والإنس إلا ليعبدون" (الذاریات: ۵۶) اور میں نے جنّات اور انسانوں کو اسی لیے پیدا کیا کہ وہ میری بندگی کریں"۔ بندگی سے مراد ہے: ہر اس قول کی پابندی اور ہر اس عمل کی پیروی، ظاہر ہو یا باطن جسے اللہ پسند فرماتا ہے اور جس سے راضی ہوتا ہے۔

اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر رحمتِ بے پایاں ہے کہ اس نے اپنے پاکیزہ کلام میں اور اپنے رسول ﷺ کی زبانی دنیا اور آخرت میں نجات کے تمام راستے واضح فرمادیے؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ اس زندگی میں بندوں کو طرح طرح کے فتنے گھیرے رہتے ہیں، آزمائشیں اور خواہشیں مسلسل ان کے تعاقب میں رہتی ہیں، جنھیں شیطان اور اس کے چیلے ان کے لیے خوش نما بنا کر پیش کرتے ہیں۔

اب بندے کا کام یہ ہے کہ وہ یہ پہچانے کہ اللہ تعالیٰ کو کیا پسند ہے اور کیا ناپسند؟ وہ کس چیز سے راضی ہوتا ہے اور کس چیز سے ناراض ہوتا ہے، نیز اللہ کے پیارے نبی ﷺ کو کیا پسند ہے اور کیا ناپسند؛ اور رسولِ اکرم ﷺ کی پسند بھی در حقیقت اللہ ہی کی پسند ہے۔ کیوں کہ محبت ایسی صفت ہے جو ایک عاشق کو اس کی پسند سے ہٹا کر محبوب کی پسند پر لاتی ہے، پھر اسے اپنی پسند وناپسند کا خیال نہیں رہتا، بلکہ اسے وہی پسند ہوتا ہے جو اس کے محبوب کو پسند ہے، اور وہ چیز ناپسند ہوجاتی ہے جو اس کے محبوب کو ناپسند ہوتی ہے، پسند کو اختیار کرتا ہے اور ناپسند کو چھوڑ دیتا ہے۔

محبت انسان کا بہت بڑا امتیاز ہے، اسی متاعِ محبت کی بدولت انسان نے شریعت کی امانت اپنے سر لے لی، جب کہ آسمان وزمین اور پہاڑ اس ذمہ داری کو قبول کرنے سے معذرت کرچکے تھے، کیوں کہ وہ اس خاصے سے محروم تھے، انسان نے یہ نہ دیکھا کہ کتنی بڑی امانت اس کے سپرد کی جارہی ہے اور میں اس کو اٹھا پاؤں گا سہار پاؤں گا یا نہیں! بلکہ اس نے یہ دیکھا کہ ذمہ داری دے کون رہا ہے، اس نے جب اس قابل سمجھا ہے تو طاقت اور حوصلہ بھی وہی دے گا، ہمارے دست وبازو اور ہمارا حوصلہ اور عزم کیا چیز ہے، دینے والے کی طاقت سب سے بڑی اور وہ ہر چیز کا مالک اور مقتدرِ اعلیٰ اور پھر محبوب حقیقی بھی، تو کیوں نہ اس کو قبول کرلیا جائے، سو حضرت انسان نے قبول کرلیا، اب اٹھائے نہیں اٹھتا یہ بوجھ!

محبت کے مقام اور مرتبہ کو بیان کرتے ہوئے امام ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "محبت وہ منزل ہے جس کے حصول کے لیے قسمت آزمانے والے قسمت آزماتے ہیں، جس کی طرف آگے بڑھنے والے آگے بڑھتے ہیں، جس کی طرف قافلے تیز گام ہوتے ہیں، جسے جاننے کے لیے سبقت لے جانے والے کمرِ ہمت باندھ لیتے ہیں، اسی پر عشاق جان نچھاور کرتے ہیں، اسی کی نسیم عطر بیز سے عبادت گزار سرشار ہوتے ہیں۔ یہی دل کی غذا ہے، یہی روح کی خوراک ہے، یہی آنکھ کی ٹھنڈک ہے۔ یہی حقیقی زندگی ہے، جس سے محروم شخص گویا زندوں میں ہوتے ہوئے بھی مردہ ہے؛ یہی وہ نور ہے جس سے محرومی اندھیروں کے سمندروں میں گھِر جانے کے مترادف ہے؛ یہی وہ شفا ہے جس کے نہ ہونے کی صورت میں دل بیماریوں کی آماجگاہ بن جاتا ہے؛ یہی وہ لذت ہے جو حاصل نہ ہو تو انسان کی پوری زندگی غم واندوہ کی تصویر بن کر رہ جاتی ہے۔" (مدارج السالکین)

اللہ سے محبت بندۂ مومن کی سب سے بڑی طلب اور راہِ محبت کی سب سے اعلیٰ منزل ہے، جسے حاصل کرنے کے لیے سارے جتن وہ کرتا ہے اور جس کو پانے کے لیے وہ ہر لمحے کوشاں رہتا ہے۔ اللہ کی محبت بندے کو ہر خیر تک پہنچاتی ہے اور ہر شر سے روک دیتی ہے۔ یہ ایک عظیم نعمت

ہے، اور جسے یہ نعمت نصیب ہوگئی، وہ بلاشبہ حقیقی کامیابی سے ہم کنار ہوا۔ تو پھر یہ بلند ترین مقام کیسے حاصل کیا جائے؟ اور اس منزل پر باریابی کیسے ممکن ہو؟ آخر اس کا کیا راستہ ہے؟ اس منزل کو وہی شخص پا سکتا ہے جو یہ پہچانے کہ اللہ کو کیا پسند ہے اور کیا ناپسند ہے۔ لہٰذا ہم میں سے ہر ایک کا فرض ہے کہ ہر اس صفت کو اختیار کرنے کی کوشش کرے جسے اللہ پسند فرماتا ہے، اس امید میں کہ اسے یہ مقامِ بلند نصیب ہوجائے، اور ہر اس صفت سے دور رہے جسے اللہ ناپسند کرتا ہے۔ اس حوالے سے قرآنِ کریم ہماری رہ نمائی کرتا ہے اور ہمیں بتاتا ہے کہ وہ کون سی صفات ہیں جن کے حامل لوگوں سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے ان خاص بندوں میں شامل فرما دے۔ حق اور اہلِ حق سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے، عدل اور عدل قائم کرنے والوں سے وہ محبت کرتا ہے، نیکی، احسان، ایمان، نیکی کا حکم دینے والے اور برائی سے روکنے والے، جہاد کرنے والے اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے والے بندے اللہ کے محبوب ہوتے ہیں۔ خاص طور پر درج ذیل صفات کے حامل اہل ایمان سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے:-

**محسنین:-** متعدد آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان کا ذکر فرمایا ہے: ”أَنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ وَأَحْسِنُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ“[البقرة: ۱۹۵]. (اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں خود کو ہلاکت میں نہ ڈالو، اور نیکی کرو، بے شک اللہ نیکی کرنے والوں سے محبت کرتا ہے)۔

نیکی کے راستے میں خرچ کرنا انسان کو ”محسنین“ کی صف میں شامل کر دیتا ہے اور وہ اس کی بدولت بلند مرتبے پر فائز ہوجاتا ہے یعنی اللہ کی محبت کا مستحق ہوجاتا ہے۔ اسی طرح اللہ کے راستے میں خرچ کرنا، غصے کے موقع پر اس کو پی جانا، بدسلوکی کرنے والے کو معاف کر دینا، یہ تمام چیزیں ”محسن“ کے زمرے میں مؤمن کو شامل کر دیتی ہیں اور جس کی بدولت انسان محبت الٰہی کا حق دار ہوجاتا ہے، کیوں کہ اللہ محسنین سے محبت کرتا ہے۔ اسی طرح اگر بندہ اپنے رب کے ساتھ اپنا معاملہ درست کر لے، اور اس کام کو بہترین طریقے سے انجام دے جو اللہ نے اس کے ذمہ لگایا ہے، اس طرح کہ وہ عمل درست بھی ہو، خالصۃ لوجہ اللہ یعنی صرف اللہ کی خوشی کے لیے کیا بھی گیا ہو اور رسول اللہ ﷺ کے طریقے کے مطابق بھی ہو، تو اس نے اپنے رب کی عبادت میں احسان کی روش اختیار کی اور پھر وہ اپنے رب کی محبت کا مستحق بن گیا: ”وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ“[آل عمران: ۱۳۴]۔ (اور اللہ نیکی کرنے والوں سے محبت کرتا ہے)۔ اور جب بندہ اپنے رب کی عبادت میں احسان کی روش اختیار کرتا ہے تو لازماً وہ رب کی مخلوق کے ساتھ بھی اپنے معاملات میں نیکی کرنے والا ہوتا ہے۔

**تقویٰ:-** تقویٰ کی اصل یہ ہے کہ بندہ اپنے اور اس چیز کے درمیان جو اسے نقصان پہنچا سکتی ہے ایک ڈھال اپنا لے، اور وہ ہے اللہ کی اطاعت اور گناہوں سے اجتناب۔ (ابن رجب)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا وَالَّذِينَ هُمْ مُحْسِنُونَ“[النحل: ۱۲۸] (بے شک اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور جو نیکی کرنے والے ہیں)۔

**عدل:-** اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ”وَإِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ“[المائدة: ۴۲] (اور اگر تم فیصلہ کرو تو ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو، بے شک اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہ)۔ انصاف کرنے والے وہی لوگ ہیں جو اپنے فیصلوں میں، اپنے گھر والوں کے ساتھ، اور ان لوگوں کے ساتھ جن پر اللہ نے انھیں دست رس دی ہے، عدل سے کام لیتے ہیں۔ جب وہ ایسا کرتے ہیں تو وہ اللہ کی محبت کے مستحق بن جاتے ہیں۔

**توبہ:-** اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ﴾[البقرة: ۲۲۲] (بے شک اللہ بہت زیادہ توبہ کرنے والوں اور پاکیزگی اختیار کرنے والوں سے محبت کرتا ہے)۔

توبہ کرنے والا وہ ہے کہ اللہ کے حق میں جب بھی اس سے کوئی کوتاہی ہوجائے تو بار بار وہ اللہ کی طرف رجوع کرے؛ گناہ کرے، یا اپنی جان پر ظلم کرے، تو فوراً اللہ کو یاد کرے، اپنے کیے پر پشیمان ہو، اس کی آنکھوں میں ندامت کے آنسو آجائیں اور وہ اپنے گناہوں سے توبہ کر لے، جلد ہی اللہ کی طرف لوٹ آئے، اللہ سے بخشش اور مغفرت کا امیدوار ہو، اس گناہ پر ڈٹا نہ رہے، بلکہ پختہ ارادہ کرے کہ دوبارہ اس کی طرف نہیں لوٹے گا، اور اس کے بعد نیک اعمال کرے۔ اس طرح جو توبہ کرتا ہے، اللہ اس کی توبہ قبول فرما لیتا ہے، کیوں کہ آیت کریمہ میں بتایا گیا کہ ”بے شک اللہ توبہ کرنے والوں اور پاکیزگی اختیار کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

ایک بات اور غور کرنے کی یہ ہے کہ قرآن مجید میں بہت ساری بری صفات بھی بیان کی گئی ہیں اور ان کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ اللہ ایسے لوگوں کو پسند نہیں کرتا، وہ ایسے لوگوں سے محبت نہیں کرتا۔ یہ

بھی اہل ایمان پر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ اس نے دونوں تصویریں ان کے سامنے رکھ دی ہیں، کن سے محبت کرتا ہے اور کن کو پسند کرتا ہے، اور کن سے محبت نہیں کرتا اور کن کو پسند نہیں کرتا۔ اس بات کو بیان کرنے کے لیے جو صیغہ اختیار کیا گیا ہے اس پر غور فرمائیں: "یحب" اور "لا یحب"، پسند کے لیے "یحب" اور ناپسند کے لیے "لایحب"، جب کہ ناپسند کو بیان کرنے کے لیے عربی زبان میں بہت سارے الفاظ موجود ہیں، پھر کیا وجہ ہے کہ ان الفاظ کو چھوڑ کر ایک عام صیغہ "لایحب" کو اختیار کیا گیا؟ یہ وہی الٰہی محبت ہے جس کی کرشمہ سازی اور کارفرمائی سے پل بھر میں مدتوں کا غافل اور بے پروا اور برسہا برس گناہوں کی دلدل میں ڈوب کر ہلاکت کی کگار پر پہنچ جانے والا انسان پل بھر میں خاصان خاص میں داخل اور مقبولین بارگاہ میں شامل ہوجاتا ہے، بس ایک "لا یحب" کی "لا" کو ہٹا کر اس نے "یحب" کا طغرا اپنے سر پر سجالیا اور ناپسند سے دور ہوکر پسند کی فہرست اپنالی اور سچی پکی توبہ کرکے اپنے برسہا برس کے گناہوں کو اپنے رب غفور سے بخشوالیا۔

فتنوں کے اس پُرآشوب دور میں، جب کہ حالات دگرگوں ہیں، عقائد متزلزل ہو رہے ہیں، اصولوں سے سمجھوتہ جاری ہے، قدریں ماند پڑ رہی ہیں اور اخلاق کا چل چلاؤ ہے، ایسے میں اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں پر اپنے فضل و رحمت سے عنایت فرماتا ہے، وہ ان کی نگہبانی کرتا ہے، انھیں ثابت قدم رکھتا ہے، آفات سے بچاتا ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن سے اللہ محبت کرتا ہے اور وہ اللہ سے محبت کرتے ہیں۔ {یحبھم ویحبونہ} (المائدۃ: ۵۴) (اے ایمان والو! اگر تم میں سے کوئی اپنے دین سے پھر جائے تو عنقریب اللہ ایسے لوگوں کو لے آئے گا جن سے وہ محبت کرے گا اور وہ اس سے محبت کریں گے......)۔

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے ایسا عمل بتا دیجیے کہ جب میں اسے کروں تو اللہ بھی مجھ سے محبت کرے اور لوگ بھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "دنیا سے بے رغبتی اختیار کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا، اور لوگوں کے مال واسباب سے دور رہو، لوگ تم سے محبت کریں گے۔" (ابن ماجہ)۔

اللہ تعالیٰ کے محبوب بندے وہ ہوتے ہیں جو فرائض کی ہمیشہ پابندی کرتے ہیں اور نوافل کے ذریعے اپنے روحانی زادِ راہ کا اہتمام کرتے ہیں۔ حدیث شریف میں فرائض کی پابندی کو بھی اللہ کی محبت کا بنیادی ذریعہ قرار دیا گیا ہے، اس طرح فرائض اور حسب توفیق نوافل کا اہتمام کرکے اور اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک پسندیدہ صفات کو اختیار کرکے وہ اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کی توفیق کے حق دار ہوتے ہیں اور ہر طرح کے فتنوں سے اپنی حفاظت کا انتظام کرلیتے ہیں؛ چناں چہ اللہ تعالیٰ ان کے اعضا و جوارح کو گناہوں اور معاصی سے محفوظ رکھتا ہے۔ اور جن سے اللہ تعالیٰ محبت فرماتا ہے، وہی ہیں جو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں کی خاک کو اپنے لیے سرمۂ بصیرت سمجھتے ہیں، اور آپ کے نقوش قدم پر اپنی کل کائنات نچھاور کرنا اپنے لیے سعادت سمجھتے ہیں کہ راہِ الفت کی منزلِ مقصود محبوب کی خواہش کی پاس داری اور اس کے قدموں کی خاک عشاق کے لیے ہفت اقلیم سے پیاری اور اس کے نقش قدم سے بچھڑنے میں مقدر کی شرم ساری ہوتی ہے، اسی لیے وہ ان کی کامل پیروی میں کوشاں رہتے ہیں کہ انھیں کی سیرت ہی سے زندگی کا جمال ہے تو ایسے جمالِ جہاں تاب کو کیوں نہ نگاہوں میں بسایا جائے اور دلوں میں سجایا جائے۔

میرے آقا انبیا کے حسن کی ہیں آبرو
کیوں نہ آنکھوں میں بسا لوں سیرتِ سرکار کو

اور

مطلعِ انوارِ حسنِ کائنات
حسن کی ہیں انتہا، خیر البشر
میرے لفظوں میں بسی خوشبو ہیں آپ
اور تخیل کی ضیا، خیر البشر
میرے خلوت خانۂ احساس میں
نور کا اک سلسلہ، خیر البشر

تو پھر اتباعِ رسول سب سے بڑا ذریعہ ہے محبتِ الٰہی کو حاصل کرنے کا، "إن المحب لمن یحب مطیع" آدمی کو جس سے محبت ہوتی ہے اس کی بات مانتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ [آل عمران: ۳۱] (کہہ دیجیے: اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمھارے گناہ بخش دے گا، اور اللہ بے حد بخشنے والا، نہایت مہربان ہے۔)

آیئے! ہم اللہ اور اس کے رسول سے محبت کریں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دل وجان سے پیروی کریں، اللہ اور اس کے رسول کی پسند کو اپنائیں اور ناپسند کو چھوڑ دیں کہ اسی سے کمالِ ایمان بھی حاصل ہوگا، نجاتِ دائمی بھی نصیب ہوگی، ہر طرح کے فتنوں سے حفاظت بھی ہوگی اور ہم اللہ تعالیٰ کی محبت کے حق دار بھی ٹھہریں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔

جہانِ مسلم

# روس میں اسلام اور مسلمان

## تاریخ اور دورِ حاضر کے آئینہ میں

مولانا سید عنایت اللہ ندوی (استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء)

روس رقبہ کے لحاظ سے دنیا کا سب سے بڑا ملک ہے اسکا رقبہ ایک کروڑ ستر لاکھ مربع کلومیٹر سے بھی زیادہ ہے اور آبادی کے لحاظ سے یہ یوروپ کا سب سے بڑا ملک ہے، اسکی آبادی چودہ کروڑ پچاسی لاکھ افراد پر مشتمل ہے، مسلمانوں کی آبادی کے لحاظ سے بھی یہ یوروپ کا سب سے بڑا ملک ہے، روس میں فی الحال ایک اندازے کے مطابق تین کروڑ مسلمان آباد ہیں۔

روس کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ یہ یوروپ کا پہلا ملک ہے جہاں اسلام سب سے پہلے پہنچا، حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ ۶۴۲ء میں یہاں اسلام کی آمد ہوگئی تھی جبکہ سراقہ بن عمرو نے بغیر کسی جنگ وجدال کے روس کے جنوبی صوبہ داغستان کو اسلامی مملکت میں شامل کرلیا تھا، داغستان کے ساتھ ساتھ چیچنیا، اوسیتیہ اور انگشتیہ کے روسی صوبے بھی اسی دوران اسلامی مملکت کے زیرِ نگیں آگئے اور ان تمام علاقوں کی آبادی حلقہ بگوش اسلام ہوگئی۔

پھر ہشام بن عبد الملک اموی خلیفہ کے دور میں روسی علاقوں کے اندر مسلمانوں کی پیش قدمی دوبارہ شروع ہوئی جبکہ ۷۳۷ء میں مروان بن محمد کی سرکردگی میں ایک فوج روانہ ہوئی اور اس فوجی مہم کے دوران ادیگیہ، کبار دین بلکاریہ، کراچائی چرکیسیا، کریسونڈر کرائی اور استاروپول کرائی وغیرہ روسی صوبے اسلامی مملکت میں شامل ہوگئے۔اور ان سب علاقوں میں اسلام کی تبلیغ واشاعت کا کام پر زور طریقے سے شروع ہوگیا، مسلمانوں کے اخلاق و کردار ،مسلم حکمرانوں کے عدل وانصاف اور اسلام کی اعلی تعلیمات سے متاثر ہوکر لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگے۔

عباسی دور میں تو انقلاب ہی آگیا جبکہ روس کا بادشاہ المیش بن یلطوار عباسی خلیفہ مقتدر باللہ کی دعوت پر ۹۲۲ء میں اسلام قبول کرلیا ،مقتدر باللہ سے اسکے اچھے سفارتی تعلقات تھے،مقتدر باللہ نے احمد بن فضلان کی قیادت میں ایک تبلیغی وفد اسکے پاس روانہ کیا جن کی کوششوں سے المیش بن یلطوار حلقہ بگوشِ اسلام ہوگیا اور اسنے اپنا نام جعفر بن عبد اللہ رکھ لیا ، اور اسکے ساتھ ہی اسکے تمام گھر والے ،سارے وزراء ، سارے فوجی ، سارے باشندے ایک ہی وقت میں حلقہ بگوشِ اسلام ہوگئے ۔یہ ایک ایسا عظیم انقلاب تھا جس کی وجہ سے پورا روس اسلام کے نور سے منور ہوگیا۔

واضح ہو کہ المیش بن یلطوار کوئی چھوٹا موٹا راجہ نہیں تھا بلکہ وہ ایک عظیم مملکت کا عظیم الشان فرمانروا تھا جس کے قبضہ میں موجودہ روس کے ساتھ ساتھ مشرقی یوروپ کے بھی کئی ممالک شامل تھے اسکی مملکت کو تاریخ میں مملکت بلغار عظمی (Great Bulgaria Impire) کے نام سے جانا جاتا ہے ۔اس مملکت کی راجدھانی موجودہ روس کا شہر قازان تھا جو فی الحال روسی صوبہ تاتارستان کی راجدھانی ہے۔ ماسکو شہر اسکے ۸۰۰ کلومیٹر دور مغرب میں ہے۔اس طرح روس میں بسنے والی پوری بلغاری قوم بیک وقت اسلام میں داخل ہوگئی جسکا اقتدار اس وقت پورے روس یوکرین ، بیلا روس ، رومانیہ اور موجودہ بلغاریہ تک پھیلا ہوا تھا ۔

۱۲۲۵ء میں منگولیہ کے حکمراں چنگیز خاں نے روس پر حملہ کرکے بلغاری سلطنت کا خاتمہ کردیا، پورے روس اور یوکرین کے ساتھ ساتھ مشرقی یوروپ کے کئی ملکوں کو بھی اپنی منگول سلطنت میں شامل کرلیا۔لیکن اس وقت بھی اسلام کا عظیم معجزہ سامنے آیا، چنگیز خاں کے مرنے کے بعد ۱۲۴۲ء میں اسکا پوتہ باتو خاں روس کا فرمانروا بنا پھر ۱۲۵۶ء میں باتو خاں کے بعد اسکا بیٹا برکہ خاں روس کا بادشاہ بنا، برکہ خاں بادشاہ بننے سے پہلے ہی اسلام لاچکا تھا ، بادشاہ بنتے ہی اسنے اپنے مسلمان ہونے کا باضابطہ اعلان کردیا اور سارے منگول تاتاریوں کو اسلام لانے کی دعوت دیدی، اسکی دعوت پر سارے منگول تاتاری بیک وقت حلقہ بگوش اسلام ہوگئے ، یہ اسلام کا ایسا عظیم الشان معجزہ تھا جس سے ساری دنیا حیران رہ گئی۔

واضح ہو کہ منگول تاتاری انتہائی اجڈ جاہل اور بددین لوگ تھے انکا کوئی مذہب ہی نہیں تھا، وہ مسلمانوں کے بدترین دشمن تھے انہوں نے مسلمانوں کی تین عظیم سلطنتوں کا خاتمہ کردیا۔ روس کی بلغاری سلطنت ، ترکستان کی خوارزم

شاہی سلطنت ، اور بغداد کی عباسی خلافت ، بغداد میں تو انہوں نے مظالم کے سارے ریکارڈ توڑ دئے۔اسکی کوئی امید ہی نہیں تھی کہ وہ اسلام لے آئیں گے، بلکہ انکی مسلم دشمنی کو دیکھ کر عیسائی بہت خوش تھے اور انکو عیسائی بنانے کے لئے پادریوں کے وفود انکے پاس آنے لگے تھے۔وہ عیسائی بننے کے بجائے سب کے سب اسلام کا کلمہ پڑھ کر حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے۔یہ اسلام کا عظیم الشان معجزہ نہیں تو اور کیا ہے، صرف مسلمان ہی نہیں ہوئے بلکہ اسلام کے پرجوش داعی بھی بن گئے ، یہ جان کر تعجب ہوگا کہ برکہ خاں نے بادشاہ بننے کے بعد پورے روس ، یوکرین اور دیگر یوروپین علاقوں میں اسلام کی زبردست تبلیغ واشاعت کا کام کیا۔

اسی حقیقت کو علامہ اقبال نے اپنے شعر میں اس طرح اجاگر کیا ہے:

ہے عیاں یورشِ تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے

۱۳۱۳ء میں محمد ازبیک خاں روس کا بادشاہ بنا اسکے دور میں روس اور یوکرین کے اندر اسلامی قانون نافذ ہوا۔ازبیک خان نے ۱۳۴۱ء تک اس وسیع خطہء اراضی پر حکومت کی جو تقریبا دوکروڑ مربع کلو میٹر تک پھیلا ہوا تھا جس میں موجودہ رشین فیڈریشن کے ساتھ ساتھ یوکرین، پولینڈ، بیلا روس اور رومانیہ کے ممالک بھی شامل تھے محمد ازبیک خان کے بعد اسکا بیٹا جانی بیگ روس کا بادشاہ بنا جو ۱۳۴۲ء سے ۱۳۵۷ء تک برسر اقتدار رہا یہ اس عظیم الشان تاتاری مسلم سلطنت کا آخری طاقتور بادشاہ تھا۔

تیمور لنگ نے روس کی اس تاتاری مسلم حکومت پر توختمش کے دور حکومت میں دوبار حملہ کر کے اسے کافی کمزور کر دیا ، پہلی بار ۱۳۹۱ء میں اور پھر دوسری بار ۱۳۹۵ء میں۔اسکا دوسرا حملہ بہت شدید تھا ، اس بار اسنے دارالحکومت قازان کی اینٹ سے اینٹ بجادی، ہزاروں مسلمانوں کو قتل کر ڈالا بلکہ ایک طرح سے قتل عام کیا، دارالحکومت کو تاخت وتاراج کرنے کے بعد تیمور لنگ وہاں اپنا گورنر متعین کر کے چلا گیا ، اس طرح روس پر تیمور لنگ کا قبضہ ہو گیا ، لیکن یہاں سے جانے کے بعد ۱۴۰۵ء میں اسکا انتقال ہو گیا ، تیموری خاندان کا قبضہ یہاں دیر تک نہیں رہ سکا ، البتہ کچھ دنوں تک افراتفری کا دور رہا تیمور لنگ کے حملے سے روس کے مسلمانوں کو کافی نقصان پہنچا ، روس کی عظیم الشان تاتاری سلطنت انتشار و بکھراؤ کا شکار ہو کر چھ ٹکڑوں میں بٹ گئی ، دوسری طرف ماسکو شہر میں روسیوں نے اپنی ایک مستحکم اور طاقتور حکومت قائم کر لی۔

(۱) سائبیریائی خانیٹ

(sibirkhanate) اس مسلم سلطنت کا بانی وہی سلطان توختمش تھا جو تیمور لنگ سے ہارنے کے بعد ۱۳۹۶ء میں سائبیریا پہنچ گیا اور سائبیریائی خانیٹ کے نام سے وہاں اپنی آزاد حکومت قائم کر لی اس سلطنت میں سائبیریا کا وسیع وعریض علاقہ شامل تھا۔

(۲) قازان خانیٹ (kazankhanate)

یہ دوسری مسلم تاتاری سلطنت ہے جو ۱۴۳۸ء میں قازان شہر میں سلطان اولوگ محمد نے قائم کی اس سلطنت میں موجودہ تاتارستان، بشکورتستان، جوفاش ، ماری، ادمورت اور موردوویا کی روسی ریاستیں شامل تھیں ساتھ ہی روس کا موجودہ دارالحکومت ماسکو شہر بھی اسی حکومت کے ماتحت تھا۔

(۳) کریمین خانیٹ

(crimenkhanate) ۱۴۴۱ء میں حاجی گرائی نے اس سلطنت کی بنیاد رکھی جس میں کریمیا ، یوکرین اور مولدووا کے ساتھ ساتھ جنوبی روس کے بھی کچھ حصے شامل تھے۔

(۴) قاسم خانیٹ (khanate of Qasim) روس کے شمالی حصہ میں قاسم خان نے ۱۴۵۲ء میں اس سلطنت کی بنیاد رکھی اس میں ریاضان، یاقوتیہ اور ساخائی کے ساتھ ساتھ پورا شمالی روس ، فن لینڈ اور سویڈین کے کچھ حصہ بھی شامل تھے۔

(۵) ۱۴۶۰ء میں استرا خان میں محمود استرا خانی نے پانچویں مسلم تاتاری سلطنت قائم کی، اس حکومت کو استراخانی خانیٹ (Astrakhani khanate) کہا جاتا ہے۔

(۶) ۱۴۸۰ء میں تیمیر خان نوگائی نے روس کے جنوبی حصہ میں ایک چھٹی مسلم سلطنت قائم کی اسے نوگائی سلطنت ( Nogai Hord) کہا جاتا ہے جس میں موجودہ روس کے صوبے ادیلیہ، کریسوندارا اور استاوروپول وغیرہ شامل تھے۔

۱۴۷۳ء میں ماسکو شہر کے روسی جاگیر دار آئیوان سوم نے اپنی طاقت کافی بڑھالی اور مملکت قازان سے اپنی علیحدگی ، آزادی اور خودمختاری کا اعلان کر دیا۔اور مملکتِ قازان کو خراج دینا بند کر دیا۔ ۱۵۳۳ء میں آئیوان چہارم روس کا حکمراں بنا ۱۵۴۷ء میں اس نے زار کا لقب اختیار کیا جسکے معنی بادشاہ کے ہوتے ہیں۔پھر ۱۵۵۲ء میں اسنے مملکتِ قازان پر حملہ کر دیا ، قازان کے

بادشاہ یادگار محمد کو شکست دیکر پوری مملکتِ قازان پر قبضہ کرلیا۔ پھر ۱۵۵۶ء میں اسنے مملکت استراخان پر حملہ کرکے وہاں کے آخری مسلم بادشاہ درویش غالی کو شکست دیدی اس طرح مملکتِ استراخان پر بھی اسکا قبضہ ہوگیا۔ ۱۵۸۲ء سے مملکتِ سائبیریا پر روسیوں کا حملہ شروع ہوگیا روسیوں اور تاتاریوں میں مسلسل جنگیں ہوتی رہیں، یہاں تک کہ ۱۵۹۸ء میں جب بورس گوڈونوف روس کا بادشاہ بنا تو اسی سال روسیوں اور سائبیریا کے آخری تاتاری بادشاہ کسوم خان کے درمیان اوب ندی کے کنارے آخری جنگ ہوئی جس میں کسوم خان کو شکست ہوگئی اور سائبیریا کا وسیع وعریض خطہ روسیوں کے قبضہ میں چلا گیا۔ یہ جنگ اورمین کی جنگ کے نام سے مشہور ہے۔ اس طرح سولھویں صدی کے اختتام تک تین عظیم مسلم تاتاری سلطنتیں روسیوں کے قبضہ میں چلی گئیں۔ ۱۶۳۴ء میں جنوبی روس کی نوگائی سلطنت پر بھی روسیوں کا قبضہ ہوگیا۔ ۱۶۵۲ء میں روسی بادشاہ الیکس میخائیل کے دور میں روسی فوجیوں نے کریمیا کی تاتاری سلطنت سے یوکرین کا نصف حصہ بھی چھین لیا۔ ۱۶۸۱ء میں شمالی روس کی تاتاری سلطنت قاسم خانیٹ کی آخری خاتون فرمانرواں فاطمہ سلطان کے مرنے کے بعد روسی بادشاہ فیوڈور سوم نے بغیر کسی جنگ و جدال اور مزاحمت کے قاسم خانیٹ کو اپنی مملکت میں شامل کرلیا۔

اس طرح سترہویں صدی عیسوی کے اختتام تک جنوبی وشمالی روس کی دو بقیہ تاتاری سلطنتیں بھی روس کے قبضہ میں چلی گئیں اور صرف ایک مسلم تاتاری سلطنت باقی رہ گئی جو روس کے جنوب مغربی حصہ میں جزیرہ نما کریمیا میں تھی۔

۱۷۸۳ء میں کریمیا پر بھی روس نے قبضہ کرلیا۔ پھر ۱۸۲۸ء تک انتہائی جنوب مشرق میں واقع مسلم ریاستوں داغستان، چیچنیا، کبار دین بلغاریہ اور کراچائی چرکیسیا پر بھی روسی اقتدار قائم ہوگیا۔ اب پورے روس میں کہیں بھی کوئی مسلم ریاست باقی نہیں رہی اس طرح آٹھویں صدی عیسوی سے روس کے اندر اسلام اور مسلمانوں کا جو دبدبہ شروع ہوا تھا وہ انیسویں صدی عیسوی میں اپنے اختتام کو پہنچ گیا۔

روسی بادشاہوں نے مسلمانوں پر بے پناہ مظالم ڈھائے، مسلمانوں کا بے دریغ قتلِ عام کروایا، مسلمانوں کو زبردستی عیسائی بنایا گیا، مسجدیں منہدم کردی گئی یا انکو چرچ میں تبدیل کردیا گیا، بہت سارے مسلمان ہجرت کرکے ترکی وغیرہ منتقل ہوگئے، علاقے کے علاقے مسلمانوں کے وجود سے خالی ہوگئے۔

۱۹۱۷ء میں روس کے اندر کمیونسٹ انقلاب آیا روسی بادشاہت ختم کردی گئی۔ انقلاب سے پہلے کمیونسٹوں کے سربراہ لینن نے مسلمانوں سے وعدہ کیا کہ اگر ہم کامیاب ہوگئے تو تمام مسلمانوں کو آزاد کردینگے مسلمانوں نے اسکے وعدہ پر بھروسہ کرکے کمیونسٹوں کا ساتھ دیا لیکن اقتدار میں آنے کے بعد لینن اپنے وعدہ سے مکر گیا سارے مسلم علاقوں پر روسی تسلط جوں کا توں برقرار رہا، بلکہ ۱۹۲۴ء میں اسٹالین برسرِ اقتدار آیا تو اس نے مظالم کے سارے رکارڈ توڑ دئے، اس نے پانچ کروڑ مسلمانوں کو قتل کرڈالا، کریمیا جہاں کی سو فیصد آبادی مسلمانوں پر مشتمل تھی اس پورے خطہ کو مسلمانوں کے وجود سے خالی کروادیا وہاں روسیوں اور یوکرینیوں کو لاکر بسایا، روس بھر میں موجود ساری مسجدوں میں تالے لگوادئے اذانوں، نمازوں، قرآن وحدیث اور عربی کتابوں کے پڑھنے پر پابندی لگادی۔ اسٹالین نے، مسلمانوں کا جینا دوبھر کردیا، روسی کمیونسٹ روسی بادشاہوں سے بڑھ کر زیادہ خونخوار ثابت ہوئے۔

ستر سال تک مظالم کا یہ سلسلہ جاری رہا۔ ۱۹۹۱ء میں روس سے کمیونزم کا خاتمہ ہوگیا، مسجدیں کھل گئیں، اذانوں، نمازوں اور دیگر اسلامی شعائر کی ادائیگی سے پابندی ہٹ گئی۔ وہاں کے مسلمانوں نے ٹھنڈی سانس لی، لیکن ستر سالہ کمیونسٹ دور میں اسلام اور مسلمانوں کا کافی نقصان ہوچکا تھا۔

بہرحال تازہ اعدادوشمار کے مطابق ۲۰۲۵ء میں پورے رشین فیڈریشن (روس) کے اندر مسلمانوں کی آبادی تین کروڑ سے زیادہ ہے کل آبادی میں ان کا تناسب ۲۱ فیصدی تک پہنچتا ہے، فی الحال سات ایسے صوبے ہیں جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ وہ صوبے یہ ہیں (۱) انگوشتیا۔ ۹۶ فیصد (۲) چیچنیہ۔ ۹۵ فیصد (۳) داغستان۔ ۸۱ فیصد (۴) کبار دین بلکاریہ۔ ۷۱ فیصد (۵) کراچائی چرکیسیا۔ ۶۴ فیصد (۶) بشکورتستان، ۶۰ فیصد (۷) تاتارستان۔ ۵۴ فیصد۔

اور پانچ صوبے ایسے ہیں جہاں پندرہ سے پچیس فیصد تک مسلمان ہیں وہ یہ ہیں (۱) استراخان (۲) ادیگیہ (۳) کریمیا (۴) اورنبرگ (۵) ماسکو شہر۔

بقیہ ۲۸ صوبے ایسے ہیں جہاں مسلمانوں کی آبادی ایک فیصدی سے لیکر دس فیصدی تک ہے، روس کے کل پچاسی صوبے ہیں ان میں سے ہر

صوبے میں کچھ نہ کچھ مسلمان موجود ہیں۔

یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ ۱۹۹۱ء کے بعد سے مسلمانوں کی تعداد میں مسلسل اضافہ ہورہا ہے، اسکی وجہ کچھ لوگ یہ بتاتے ہیں کہ مسلمانوں میں پیدائش کی شرح زیادہ ہے، لیکن اصل وجہ یہ نہیں ہے، اصل بات یہ ہے کہ انیسویں صدی سے پہلے پورے روس میں مسلمانوں کی آبادی ۸۰ فیصدی سے زیادہ تھی ، انیسویں صدی میں جب مسلمانوں کے اقتدار کا مکمل خاتمہ ہوگیا تو بہت سارے مسلمان مارے گئے ، کچھ بھاگ کر چلے گئے کچھ لوگ عیسائی بن گئے پھر جب بیسویں صدی میں روسی کمیونسٹ اقتدار میں آئے تو بہت سارے مسلمان یا تو کمیونسٹ بن گئے یا پھر اپنی اسلامی شناخت چھپالی ۔ ۱۹۹۱ء کے بعد جب مذہبی آزادی ملی ہے تو بہت سارے حضرات اپنی اسلامی شناخت ظاہر کرنے لگے ہیں اور کچھ کمیونسٹ تائب ہوکر اسلام کا دامن تھام رہے ہیں، اس طرح روس کے اندر مسلمانوں کی تعداد بڑھتی جارہی ہے ۔اسکا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ ۱۹۹۱ء سے پہلے روس میں صرف ۲۵۰ مسجدیں تھی لیکن ۲۰۲۵ء تک مسجدوں کی تعداد میں بے پناہ اضافہ ہوگیا ہے ،ایک تازہ سروے کے مطابق فی الحال پورے روس میں مسجدوں کی تعداد پندرہ ہزار تک پہنچ چکی ہے، وہ ساری مسجدیں جو مقفل تھیں کھل چکی ہیں، نئی نئی مسجدیں تعمیر ہورہی ہیں، ایک طرح سے مسلمانوں میں نئی بیداری پیدا ہوچکی ہے ،اللہ کرے یہ سلسلہ جاری رہے اور پھر سے پورے روس میں اسلام کی عظمت دوبالا ہوجائے۔


## سیرت طیبہ کے سلسلۃ الذہب کا نیا شاہکار

# محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم رحمۃ للعالمین

**تالیف: حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی مدظلہ العالی**

عہد حاضر میں محدثین ہند کی عظیم الشان روایات کے وارث و امین حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی دامت برکاتہم کی تصنیفی وتالیفی زندگی کی حاصل، سرور دو عالم ﷺ کی سیرت پاک سے روشنی اور رہنمائی کے لیے موجودہ عہد کے تقاضوں اور جدید انسانی معاشرہ ومزاج کی مناسبت سے حضور پاک ﷺ کی رحمۃ للعالمینی کی دلنشیں، دلنواز اور دلکش تشریح علامہ شبلی اور مولانا سید سلیمان ندوی کی سیرت النبی ﷺ کے سو سال بعد سیرت نگاری میں مجددانہ کارنامہ تین ضخیم جلدوں میں خیر وبرکت کی حامل یہ سیرت مصطفی عرب وعجم کے اہل نظر کی داد وتحسین کے مطابق:

۱ حضور ﷺ کی ذات اور سیرت پر لکھنے کا مطلب ہے کہ حرمین شریفین پر بھی قلم اٹھایا جائے، یہ وہ نکتہ ہے جسے ڈاکٹر تقی الدین ندوی نے اس کتاب میں خاص طور پر ملحوظ رکھا۔
محمد رسول اللہ ﷺ رحمۃ للعالمین (ڈاکٹر عبداللہ بن عبدالمحسن الترکی-سابق جنرل سکریٹری رابطہ عالم اسلامی، مکہ مکرمہ)

۲ یہ سیرت پاک کے موضوع پر گراں قدر تصنیف ہے، میں اس کو شیخ ندوی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی خصوصی مہربانی اور فضل ربانی سمجھتا ہوں۔ (ڈاکٹر سعود بن ابراہیم الشریم-امام وخطیب مسجد حرام مکۃ المکرمہ)

۳ یہ جامع انسائیکلو پیڈیا ہے، مشرق ومغرب میں پوری امت اسلامیہ کے لیے گراں قدر تحفہ ہے۔
(ڈاکٹر ابولبابہ طاہر صالح حسین)

۴ یہ عظیم الشان کتاب جامعیت اور دلکشی میں بے مثال اور عظیم شاہکار ہے اور ایسی کتاب ہے جس میں افراط و تفریط دونوں انتہاؤں سے بچ کر اعتدال کا راستہ اختیار کیا گیا ہے، زبان عصر حاضر کے فہم کے مطابق ہے۔
(ڈاکٹر موفق بن عبداللہ-استاذ حدیث جامعہ ام القریٰ)

۵ بنیادی خوبی یہ ہے کہ سیرت نبوی پر لکھنے کے لیے جن باتوں کا علم ضروری ہے اس میں صاحب کتاب کمال مہارت کے حامل ہیں۔اس کے مطالعہ سے ایمان وعقیدہ کو مضبوطی حاصل ہوتی ہے۔(مولانا سید محمد رابع ندوی)

دیدہ زیب کتابت بہتر مجلد خوبصورت سرورق کے ساتھ تین جلدوں کا مکمل سیٹ حاصل کرنے کے لیے جامعہ اسلامیہ مظفر پور اعظم گڑھ یوپی اور دیوبند اور ندوہ کے مشہور مکتبوں سے رابطہ کیا جاسکتا ہے۔

پتہ **جامعہ بُکڈپو** جامعہ اسلامیہ مظفر پور اعظم گڑھ یوپی
موبائل نمبر: 9450876465 9532829745
قیمت: 2000 خصوصی رعایت کے ساتھ قیمت: 750

عالم اسلام

# قضیہ سوڈان اور مسلمان

ڈاکٹر محمد فرمان ندوی (استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء)

سوڈان کا مسئلہ عالم اسلام کے سلگتے مسائل میں ہے، وہ اگر چہ بظاہر ملکی مسئلہ معلوم ہوتا ہے، لیکن وہ ایک عالمی مسئلہ بن چکا ہے، وہاں کشت وخون کا ایک سلسلہ ہے جو برسوں سے جاری ہے، سوڈانی فوج اور ریپڈ سپورٹ فورس کے درمیان جھڑپیں جاری ہیں، یہ جنگ کفر و اسلام کی جنگ نہیں، بلکہ دو برسر پیکار مسلمان عرب جماعتوں کی جنگ ہے، بالفاظ دیگر یہ عہدوں اور مناصب اور اقتدار کی جنگ ہے، جس میں ہزاروں افراد ہلاک ہو چکے ہیں، اور اس سے زیادہ بے گھر ہو چکے ہیں، اور وہ خیموں میں اور کھلی آسمان کے نیچے پناہ لینے پر مجبور ہیں، اسباب زندگی ان کے لئے مفقود ہیں، اور دنیا تماشائی بن کر اس منظر کو دیکھ رہی ہے، نہ اس کا ضمیر ان کو ملامت کر رہا ہے، اور نہ اس کی حمیت جاگ رہی ہے، عالمی میڈیا نے تو اس کو ہتھیار کی جنگ قرار دیا ہے، لیکن یہ صحیح معنوں میں ایک خطرناک انسانی المیہ ہے، جس کا ختم ہونا ضروری ہے۔

## ماضی کی ایک جھلک

سوڈان کی تاریخ ہزاروں سال پرانی ہے، یہاں کی تہذیب قدیم ترین تہذیبوں میں شمار ہوتی ہے، یہ براعظم افریقہ کا ایک بڑا ملک ہے، اس کے شمال میں مصر اور لیبیا ہیں تو جنوب میں وسطی افریقی جمہوریہ، مغرب میں چاڈ اور مشرق میں ایتھوپیا وغیرہ ممالک ہیں، زرعی لحاظ سے یہ زرخیز ملک ہے، اس کی راجدھانی الخرطوم ہے، فراعنہ مصر نے اس پر ڈھائی ہزار پہلے قبضہ کیا، تو سوڈان مصر کے زیر اثر رہا، اس کے بعد وہاں نصرانیت کا دور دورہ رہا، لیکن جب اسلام کا آفتاب اس سرزمین پر طلوع ہوا، تو سوڈان کی یہ سرزمین لہلہا اٹھی، اور پورا علاقہ اس کے نور سے منور ہو گیا ہے، پھر بہت سے ملوک وفاتحین اس سرزمین پر آتے رہے، اور اپنی حکومت تاریخ کے مختلف مراحل میں قائم کرتے رہے، آخری دور میں سوڈان خلافت عثمانیہ کا اٹوٹ حصہ رہا، پھر برطانیہ نے اس پر حملہ کیا، اور اس کو مصر سمیت اپنے قلمرو میں شامل کر لیا، ۱۹۵۶ء میں اللہ تعالی نے سوڈان کو برطانوی سامراج سے آزادی نصیب فرمائی، اس آزادی کے بعد وہاں انقلابات اور بغاوتوں کا دور رہا، ایک جنرل دوسرے جنرل کو معزول کرتا رہا، یہاں تک کہ جنرل عمر حسن البشیر نے اس کو اپنے قبضہ میں لیا، اور مکمل تیس سال تک وہاں حکومت کی، حسن بشیر کی عمر میں جنوبی سوڈان کا قضیہ پیش آیا، ۲۰۱۱ء میں وہ مستقل ملک بن گیا، جہاں عیسائیوں کی حکومت ہے، اور ان کی اکثریت بھی ہے، اور وہ وہاں حکومت کر رہے ہیں۔

## سوڈان کی تازہ صورت حال

۲۰۱۹ ء میں عوامی بغاوت کے نتیجہ میں عمر حسن البشیر کو حکومت سے دستبردار ہونا پڑا، جنرل عوض بن عوف نے عمر حسن البشیر کا تختہ پلٹا، اور اس کو جیل میں ڈال کر جنرل عبد الفتاح البرہان کو سوڈان کا عبوری صدر بنا دیا، عبد الفتاح البرہان ۱۱ر جولائی ۱۹۶۰ء کو سوڈان میں پیدا ہوئے، اور مقامی اسکول میں تعلیم حاصل کی، پھر سوڈانی حربی کالج سے علمی ڈگری حاصل کی، اور مصر اور اردن میں ٹریننگ کے لئے گئے، اس کے بعد سوڈان میں کئی عہدوں پر رہے، بالآخر انہیں سوڈان کا عبوری صدر بنا دیا گیا، اور اسی منصب پر ابھی فائز ہیں، اور فوج کے جنرل بھی ہیں، ان کے بالمقابل محمد حمدان عرف حمیدتی ہے، یہ ریپڈ سپورٹ فورس (قوات الدعم السریع) کا سربراہ ہے، یہ فورس دارفور میں جاری شورش کو ختم کرنے کے لئے عمر حسن البشیر نے تشکیل دی تھی، جس کو جنجوید کے نام سے جانا جاتا ہے، یعنی اونٹ پر سوار جنات، یہ فورس سوڈان کے عام فوج کے علاوہ تھی، جس کا سربراہ حمیدتی کو بنایا گیا تھا، اور مقصد یہ تھا کہ بوقت ضرورت اسے استعمال کیا جاتا رہے گا، جنرل برہان جب عبوری صدر بنے تو انہوں نے کوشش کی کہ اس فورس کو اصل فوج میں شامل کر دیں، لیکن حمیدتی اور اس کے ہمنوا افراد نے اسے پسند نہیں کیا، اور اپنے فائدے کے لئے مستقل اصل فوج کے لئے اور سوڈانی عوام کے لئے مسئلہ بنے ہوئے ہیں، اس فوج نے سونے کی اسمگلنگ شروع کر دی ہے، اور باہر سے ہتھیاریں حاصل کر کے فوج اور عوام کے خلاف استعمال کر رہی ہے، اس سلسلہ میں بعض عرب ممالک بھی اس کی کھلے عام مدد کر رہے ہیں، اور سوڈان میں شورش کو ہوا دے رہے ہیں، حمیدتی کی قیادت میں یہ فورس سرگرم ہے، حمیدتی کے بارے میں متعدد ویب سائٹس پر لکھا ہے کہ وہ پچاس سالہ نوجوان ہے، جس نے ۲۰۱۰ء میں جنجوید میں شمولیت اختیار کی ہے، اور اس کا ذمہ دار قرار پایا، اور اسی وقت سے مسلسل وہ ریپڈ فورس کا قائد رہا، اور حسن بشیر کی معزولی کے بعد اس نے سوڈان مخالف طاقتوں سے اپنے تعلقات استوار کئے، اور مسلسل اس کی ہمنوائی میں مشغول ہے، اسرائیل کے بارے میں اس کا نظریہ اسلام مخالف ہے، وہ اس کے موقف کی تائید کرتا ہے، اور اس اسرائیل کے وجود کو علاقہ کی ضرورت گردانتا ہے، خلاصہ یہ ہے کہ حمیدتی کا یہ موقف سوڈان کو جہنم کدہ بنائے ہوئے ہے، اس کے

اندر ملک کی محبت، عوام کے ساتھ ہمدردی کا عنصر ختم ہو گیا ہے، صحیح بخاری کی حدیث ہے، رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: **إذا لم تستح فاصنع ماشئت** (اگر تمہارے اندر حیا نہ ہو تو جو چاہو کرو)۔

## الفاشر اور فورس کی نسل کشی

الفاشر سوڈان کا ایک قدیم شہر ہے، جس کے معنی سلطان کی مجلس کے ہوتے ہیں، یہ دارفور کے شمالی صوبہ کا پایہ تخت ہے، اس کے باشندوں کی تعداد ایک ملین (دس لاکھ) بتائی جاتی ہے، یہ تجارتی قافلوں کی گذرگاہ بھی ہے، قدیم زمانہ میں بھی اس کی اہمیت تھی اور آج بھی جغرافیائی اور تاریخی جائے وقوع کی وجہ سے اس کی اہمیت ہے، یہاں ریپڈ فورس کی طرف سے اکتوبر ۲۰۲۵ء میں ایسی نسل کشی ہوئی، جس میں دو ہزار افراد ہلاک ہوئے، ۲۰۲۴ء سے فورس اس علاقہ پر قابض ہونا چاہتی تھی، اس کے لئے اس نے علاقہ کا لمبا محاصرہ کیا، اور وہ محاصرہ ایسا سخت رہا کہ سوڈانی فوج عوام کے قتل وخون کی وجہ سے پیچھے ہٹی، لیکن یہ ظالم فورس آگے بڑھتی رہی، اور بالآخر اس پر قابض ہوئی، عینی شاہدین اور طبی اور رفاہی عملے کا کہنا ہے کہ ڈرون، توپوں اور مہلک ہتھیاروں کے ذریعہ بے گناہ عوام کو نشانہ بنایا گیا، اور کچھ شہریوں کو گیس کے ذریعہ یکبارگی موت کے گھاٹ اتار دیا گیا، دنیا نے میڈیا اور ذرائع ابلاغ کے ذریعہ یہ بھیانک منظر دیکھا، اور کچھ مذمتی بیانات بھی آئے، لیکن بے غیرت فورس پر جوں تک نہیں رینگی، اور وہ اب وہاں بڑی بے شرمی اور بے حیائی سے ظلم و جور کو جاری رکھے ہوئے ہے، ذرائع کے مطابق فورس نے بے گناہ شہریوں کو قتل کے بعد یا تو اجتماعی طور پر گڑھوں میں ڈھکیل دیا گیا، یا ان کو جلا دیا گیا۔

## مسلمان اور مسئلۂ سوڈان

مسئلۂ سوڈان کا گہرائی سے مطالعہ کرنے کے بعد یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ مغرب نواز ممالک ہی اس مسئلہ کے اصل ذمہ دار ہیں، وہ نہیں چاہتے ہیں کہ سوڈان میں امن وامان قائم ہو، اور وہاں کے لوگ چین وسکون کی سانس لے سکیں، وہ وہاں کے معدنیاتی ذخائر سے ریپڈ فورس کے ذریعہ خوب فائدہ اٹھا رہے ہیں، اور ان کو بدلے میں ہتھیار دے کر قتل وغارت گری کو ہوا دے رہے ہیں، بلاشبہ اس پورے قضیہ کے پیچھے ریپڈ فورس کی جارحیت اور اسلام مخالف طاقتوں سے ساز باز کر کے سوڈان کو بدامنی کے ماحول میں ڈھکیلنا ہے، اگر ریپڈ فورس ہوش کے ناخن لے اور دشمنوں کا آلہ کار بننے سے بچے تو سوڈان میں امن و سکون، اور راحت وآرام کی باد بہاری چل سکتی ہے۔

مسلمان اور اسلام "سلم" سے مشتق ہیں، جس کے معنی امن وآشتی کے ہیں، اور سچے مسلمان ہمیشہ اسی پیغام کے حامل رہے ہیں، ان کی تاریخ محبت و الفت، اتحاد واتفاق اور صلح وآشتی کی رہی ہے، عہد رسالت میں رسول اکرم ﷺ نے محبت واخلاق کے ذریعہ لوگوں کے دلوں کو جیتا، خلفائے راشدین حضرت ابوبکر، وحضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کا یہی وطیرہ رہا ہے، خلافت امیہ، خلافت عباسیہ اور خلافت عثمانیہ میں اسی اصول پر عمل کیا جاتا رہا، ان خلافتوں کا زبردست اثر تھا، جس کے رعب سے دشمن بھی کانپتے تھے، اسلامی دور میں ایک خلیفہ شکر وسپاس کے جذبہ میں بادل کی ٹکڑی کو مخاطب کر کے کہتا تھا کہ جہاں چاہو جا کر برسو، تمہارا خراج ہمارے پاس آکر رہے گا، دنیا کے کسی گوشے میں ظلم وزیادتی ہو، اور کوئی فرد بشر نشانہ بنایا جائے تو وہ آواز دیتا تھا، اور کلمہ لا الہ الا اللہ کے کہنے والے اٹھ کھڑے ہوتے تھے، اس طرح مسلمان ایک طاقتور قوم تھے، ان کی عزت وشوکت کو تسلیم کیا جاتا تھا، وہ ضمیر فروش نہیں تھے، وہ اپنے اصولوں سے تنازل نہیں اختیار کرتے تھے، عہد رسالت میں کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کو ان کی آزمائش کے زمانہ میں غسان کے حاکم نے خط لکھا کہ سنا ہے کہ تمہارے ولی نعمت نے تمہارے ساتھ ظلم وجور کا معاملہ کیا ہے، تم ہمارے ساتھ آجاؤ، ہم تمہیں عزت واحترام سے نوازیں گے بلکہ بادشاہ بنادیں گے، حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے جیسے ہی یہ خط پڑھا فوراً آگ میں جھونک دیا، اور کسی طرح سے بھی وہ دشمن کے دام فریب میں نہیں آئے اور اس کا آلہ کار نہیں بنے، اسی طرح حضرت علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان اختلاف کے زمانہ میں رومی باشادہ نے حضرت امیر معاویہؓ کو خط لکھا اور ان کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف مزید بھڑکانا چاہا تو اس موقع پر حضرت معاویہؓ نے کہا کہ او رومی کتے! ہم اور علی دونوں بھائی ہیں، اپنی خباثت اور شرانگیزی کو ہم سے دور رکھنا، ورنہ میں ایسا لشکر جرار لے کر آؤں گا کہ علی اس کے قائد ہوں گے، اور میں ان کی فون کا ادنی سپاہی ہوں گا۔ (البدایۃ والنھایۃ، ابن کثیر)

سوڈان میں مسلمان ۹۷ فیصد ہیں، وہاں اسلام ابتدائی زمانہ میں پہنچ چکا تھا، اتنی بڑی اکثریت کا آپس میں ٹکرانا اور ایک طبقہ کا دشمن کا آلہ کار بن کر رہنا نہ انسانیت اس کی اجازت دیتی ہے، اور نہ اسلام، مسلمانوں کے آپسی انتشار نے ان کو آج کل ایسا بنادیا کہ وہ عالمی سطح پر بے اثر ہوگئے ہیں، جب کہ وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار اور ایک جسم کی طرح ہیں، ضرورت ہے کہ دنیا کے ایک کونے سے لے کر دوسرے کونے تک تمام مسلمان متحد ہوں، اور اپنے اسلامی سرمایہ کی حفاظت کے ساتھ انسانیت کی خدمت کریں، حدیث پاک میں ہے: **واللہ فی عون العبد ما کان العبد فی عون أخیہ**۔

❁❁❁

**کلام الٰہی**

# رشد وہدایت کا معجزۂ جاوداں

محمد جاوید اختر ندوی (استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء)

قرآن مجید صرف ایک آسمانی کتاب نہیں، بلکہ خالق کائنات کا کلام، اوررسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک دائمی معجزہ ہے، جس نے نزول کے ساتھ ہی پوری انسانیت کو یہ چیلنج دیا کہ اگراس کتاب میں بشر کا کوئی دخل ہے تواس جیسی کتاب، اس جیسی سورہ یااس کا کوئی حصہ ہی بنا کر دکھاؤ: ”فَلْيَأْتُوا بِحَدِيثٍ مِّثْلِهِ إِنْ كَانُوا صَادِقِينَ“ [الطور:۳۴] (اگروہ سچے ہیں تو اس جیسے کسی ایک کلام ہی کو لے آئیں)، یہ چیلنج اللہ تعالیٰ نے رہتی دنیا کے ہر اس فرد کو دیا ہے جو قرآنِ مجید میں شک کرتا ہے، اور پھر اس چیلنج کی تکمیل اور ناکامی کا اعلان کرتے ہوئے خود قرآن نے کہا کہ: ”فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا وَلَن تَفْعَلُوا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ“ [البقرۃ:۲۴] (پھر اگرتم نے یہ نہ کیا، اورتم ہرگز نہ کرسکوگے تو اس آگ سے بچوجس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے)۔

قرآنِ مجید سے پہلے جتنی کتابیں اتاری گئیں، کسی میں یہ دعویٰ نہیں کیا گیا کہ ایسی کتاب لے کر آؤ؛ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کے لیے یہ فرمایا، کیوں کہ یہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ مشرکین عرب کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شکست دینے کے لیے یہی کافی تھا کہ وہ ایسا کلام بنالاتے، وہ اہل زبان تھے، خاص طور پہ اہل مکہ بڑے فصیح وبلیغ تھے، ان کی ایک ادبی انجمن تھی، ہرقوم کے شعراء وبلغاء اور ادباء جمع ہوتے تھے اور اپنے اپنے قصیدے مجمعوں میں پیش کرتے تھے جس کا قصیدہ اچھا ہوتا وہ انعام واکرام سے نوازا جاتا؛ لیکن قرآن مجید کا یہ دائمی معجزہ تھا کہ عرب کے مایہ ناز شعراء، ادباء وفصحاء بھی اس کی طرح سورہ لانے سے عاجز آگئے، بالآخر انہوں نے یہ کہنا شروع کردیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک عیسائی لوہار سے سیکھ کر آتا ہے۔ مکہ مکرمہ میں ایک غلام لوہار رہتا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھار اس کے پاس سے گزرتے تھے، وہ اسلام سے محبت رکھتا تھا، بعض کافروں نے یہ کہنا شروع کردیا کہ آپ قرآنِ مجید اس سے سیکھتے ہیں، حالانکہ وہ عجمی تھا، اس کی زبان خالص عربی نہ تھی، بلکہ ٹوٹا پھوٹا لہجہ تھا، یہ اعتراض اتنا بودا تھا کہ اس پر براہِ راست قرآنِ مجید نے جواب نازل کیا:

”لَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّهُمْ يَقُولُونَ إِنَّمَا يُعَلِّمُهُ بَشَرٌ لِّسَانُ الَّذِي يُلْحِدُونَ إِلَيْهِ أَعْجَمِيٌّ وَهَٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِينٌ“ [سورۃ النحل:۱۰۳] (ہم خوب جانتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں: اس (محمد) کو تو ایک بشر سکھاتا ہے، حالانکہ جس شخص کی طرف وہ اشارہ کرتے ہیں، اس کی زبان عجمی ہے، اور یہ قرآن تو صاف، روشن عربی زبان میں ہے)۔

آج یہ بات سب تسلیم کرتے ہیں کہ قرآنِ مجید اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے جو خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی ہے، اس کی ہر سورہ اور ہر آیت معجزہ ہے، اس کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے خود اٹھایا ہے، عہد رسالت سے لے کر آج تک کوئی لمحہ، کوئی ساعت ایسی نہیں بتلائی جاسکتی کہ جس میں ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں حفاظ قرآن کی موجود نہ رہی ہو، آٹھ دس سال کا بچہ جسے اپنی مادری زبان میں ایک چھوٹا سا رسالہ یاد کروانا دشوار ہے، وہ ایک اجنبی زبان کی ضخیم کتاب جو متشابہات سے پر ہے، کس طرح یاد کرکے سنادیتا ہے، یہ بھی اس کلام مجید کا ایک معجزہ ہے، اسی طرح دنیا کی کوئی کتاب اگر انسان ایک دفعہ پڑھ لے تو دوسری بار جی نہیں چاہتا؛ لیکن قرآن مجید رب کائنات کی وہ کتاب ہے کہ جس کے پڑھنے سے ہر بار نیا سرور وجذبہ بیدار ہوجاتا ہے اور قلب کو اطمینان وسکون ملتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ”ان اللہ یرفع بھذا الکتاب أقواماً، ویضع بہ آخرین“ [صحیح مسلم] (اللہ تعالیٰ اس کتاب (قرآن مجید) کی وجہ سے کتنے ہی لوگوں کو بلند مرتبہ (اونچا) کرتا ہے اور کتنے ہی لوگوں کو پست اور ذلیل (نیچا) کرتا ہے)۔

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے، اس میں دنیا وآخرت کی کامیابی کے طریقے بتائے گئے ہیں، اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ ہے کہ جو قوم خواہ وہ کسی بھی نسل سے ہو، ان کا کچھ بھی رنگ اور کوئی بھی زبان ہو، قرآن پر ایمان لاتی ہے اور اس پر عمل کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ ان کو دنیا وآخرت دونوں میں اُونچا مقام عطا کرتے ہیں، اس کے مقابلہ میں جو قوم اس پر عمل نہیں کرتی اگرچہ وہ بلندیوں کے آسمان پر ہی ہو، نیچے گرادی جاتی ہے، اسلام اور مسلمانوں کی پوری تاریخ اس حدیث پاک کی سچائی کی گواہ اور اللہ تعالیٰ کے اس فیصلے کی آئینہ دار ہے۔

یہ وہ آسمانی کتاب ہے جس نے انسانی فکر، زبان، علم اور تاریخ وتہذیب پر ایسے لازوال اثرات چھوڑے ہیں جن کی کوئی نظیر نہیں، یہ کلام ربانی صرف الفاظ کا مجموعہ نہیں، بلکہ یہ معجزۂ محمدی اور انسانی رہنمائی کا کامل ومکمل دستورِ حیات ہے، اس کی لسانی رفعت، علمی گہرائی، تشریعی جامعیت، غیبی صداقت اور دلوں کی دنیا کو زیروزبر کردینے والی تاثیر وسحر انگیزی ایک اعلانِ عام ہے کہ یہ کسی انسان کا نہیں، بلکہ ربِ کائنات کا کلام اور معجزۂ جاوداں ہے۔

رسید کتب

# تعارف وتبصرہ

محمد اصطفاء الحسن کاندھلوی ندوی (استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء)

## نام کتاب: خانوادۂ حسنی کے روشن چراغ

از: محمد ناصر سعید اکرمی

علم وفضل، زہد وتقویٰ، فکر وعمل، تاریخ وادب، حکمت وفراست، اعتدال وتوازن، سیرت وکردار اور اخلاق وصفات سبھی کو اگر یکجا کر دیا جائے تو وہ برصغیر کیا، یوں کہیے کہ عالمِ اسلام کا اک بے مثال خاندان یعنی رائے بریلی کا 'خانوادۂ حسنی' بن جائے۔ وہ کہ جس سے ہر ایک کو محبت وعقیدت ہے، اور ہر ایک ان سے ربط وتعلق اور راہ ورسم کو باعثِ افتخار سمجھتا ہے، اور کیوں نہ سمجھے؟!! کہ مذکورہ بالا خصوصیات کم ہی کسی ایک گھرانہ میں اس درجہ اتم خداوندِ قدوس کی جانب سے ودیعت کی گئی ہوں گی۔

المیہ یہ ہے کہ گذشتہ بارہ سے پندرہ سال کا عرصہ ہوگا، اس یکتا و یگانہ خاندان کی بڑی اہم شخصیات ہم سے جدا ہوگئیں۔ بالخصوص ندوۃ العلماء اپنے منہجِ تعلیم و دعوت، طرزِ فکر وعمل اور مزاجِ توازن و اعتدال میں ان کو اپنا ہمراز و دمساز سمجھتا تھا۔ ان میں بعض وہ بھی تھے جو اس پرآشوب دور میں قوم وملت کا سہارا تھے، اور ان کا وجودِ مسعود امت کے لیے غنیمت تھا، تو کچھ وہ بھی کہ جن سے مستقبل کی آرزوئیں اور تمنائیں وابستہ تھیں، گو اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر ایک ان میں سے اک درِ یتیم تھا اور ندوہ وتکیہ کے افق کا اک درخشندہ ستارہ، قطعِ نظر اپنے اپنے حجم سے، اور اس پہلو سے کہ ہر ایک کی روشنی اپنے کیف وکم میں 'حصہ بقدر جثہ'۔ ذرا ان شخصیات کے اسماءِ گرامی بھی ملاحظہ فرمائیے! ایک طرف مفکر اسلامؒ کی شخصیت وکمالات کا عکسِ جمیل حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی ہیں تو دوسری طرف زمانہ شناسی، مردم سازی، فکرِ اسلامی اور عربی و اردو صحافت کی مجلسوں کے صدر نشیں مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی ہیں۔ ذرا زاویہ نظر اور گھمائیے تو مولانا سید حمزہ حسنی ندوی کی شخصیت ہے، جن کی نظارتِ ندوہ کے ایام اور 'تعمیرِ حیات' کے قدیم شمارے آج بھی نگاہوں میں بسے ہوئے ہیں، مولانا سید عبد اللہ حسنی ندوی کا نام لیجیے، جو دعوت و اصلاح اور پیامِ انسانیت کی بنجر زمین کی آبیاری اپنے عرق ولہو سے کرتے نظر آتے ہیں، جعفر مسعود ہیں، جن کا وجودِ مسعود ندوہ کو حاصل ہوا تو شکوک واوہام کے بادل چھٹتے نظر آئے، اور آخر میں صفاتِ حمیدہ سے متصف، زبان وقلم کے شہسوار ہمارے محمود بھائی ہیں۔

زمانہ کو کچھ کہہ سکتے ہیں، نہ تقدیر کو، کہ سب اللہ رب ذوالجلال کی مخلوق ہیں، اور اس کی حکمت ومصلحت، اور اذن ومشیت کے اسرار ورموز کی دبیز تہیں اپنے اندر لیے ہوئے۔ لیکن یہ بے صبرا وناشکیب انسان جس کو 'جزوع وہلوع' کہا گیا ہے، اور اس کے فہم وادراک کی حد 'وما أوتیتم من العلم الا قلیلا' قرار دیدی گئی ہے' اس کے لیے یہ بات حیرت زا کیوں نہ ہو کہ ان بے نظیر شخصیات میں کوئی تو کم وبیش سو سال کی عمر طویل پائے، تو کوئی اس کا نصف بھی نہیں؛ جن ناعمر رسیدہ ہستیوں سے مستقبل میں کوہ پیمائی کی امیدیں باندھے ہوئے تھے' وہ ماضی کی کئی نسلوں کے نشیب وفراز طے کرنے والوں سے پہلے چلے گئے، اب اس کو کیا کہیے؟ یہی ناکہ:

کوئی خم کے خم ہے پیے ہوئے، کوئی ایک جام کا منتظر
ترے رند پھر بھی ہیں مطمئن ترے میکدہ کے نظام سے

'آمنا و صدقنا، و سمعنا و اطعنا' اور 'مرضئ مولی از ہمہ اولیٰ' کا شیوہ ہی اہل ایمان کو زیب دیتا ہے، اور یہ یقین کہ پیدا کرنے والے کا کوئی کام خالی از مصلحت نہیں۔ یہ خیال اہلِ تعلق وعقیدت کے دلوں کے لیے جامِ جم تو نہیں، تاہم ان کے زخموں کا مرہم ضرور ہے۔ دہر وتقدیر کے مالک اور خلاقِ فطرت نے یہ مرہم نہ عطا کیا ہوتا تو نہ جانے کیا ہوتا......، سوچ کر رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں، ......اے رب کریم! آپ کے اس احسانِ عظیم پر آپ کی حمد وثنا ہے۔

یہ بھی اک طرفہ تماشہ ہے کہ جانے والوں کی یاد ایک طرف دل کو کچوکے دیتی ہے تو دوسری طرف ان کا ذکر باعثِ تسکینِ جاں بھی......، جانے والوں کی یادوں کے زخم باقی رہ جانے والوں کو اتنے عزیز ہوتے ہیں کہ ان کو تازہ رکھنے کی کوشش بھی کارگہِ حیات کی جد و جہد کے بیچ جاری رہتی ہے:

تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را
گاہے گاہے باز خواں ایں قصۂ پارینہ را

سینہ کے ان داغوں کو تازہ کرنے کا عمل مستقل جاری ہے، حال ہی میں یہ سعی جمیل مولانا محمد ناصر

سعید اکرمی صاحب نے کی ہے کہ ان 'روشن چراغوں' سے روشنی حاصل کرنے کے لیے یہ کتاب مرتب کی ہے۔ اس کے لیے ان کو کافی وقت بھی لگا، اور محنت بھی کرنی پڑی؛ انھوں نے نہ صرف یہ کہ قدیم مضامین سے حسنِ انتخاب کیا؛ بلکہ بہت سے نئے مضامین بھی لکھوائے، جو زیادہ تر باشندگانِ بھٹکل کے قلم سے ہیں، اور اس کے ذریعہ انھوں نے وہ خراجِ عقیدت پیش کرنے کی کوشش کی ہے جو تکیہ و بھٹکل کے ربطِ باہم کا لازمی تقاضہ تھا۔

بات شروع ہوتی ہے بابِ اول میں مرتب میں عرضِ مرتب، مقدمہ فقیہِ اسلام مولانا خالد سیف اللہ رحمانی اور تقریظ ناظم ندوۃ العلماء مولانا سید بلال عبد الحی حسنی ندوی، اور بابِ دوم میں ملک کے ممتاز علماء، دانشوران اور اربابِ قلم کے پیغامات کے بعد خانوادۂ حسنی کے حسب و نسب سے، جو سید السادات امیر کبیر قطب الدین، سید ابو القاسم محمد ذی النفس الزکیہ سے ہوتا ہوا سید حسن مثنی امیر المؤمنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ و عنہم تک پہونچتا ہے۔

بابِ سوم 'خانوادۂ علم اللہی پر ایک نظر' کے عنوان سے معنون اس ذاتِ گرامی کی طرف منسوب ہے جو اس سلسلۃ الذہب نسب نامہ کی شاخِ رائے بریلی کے سرخیل ہیں۔ بعد کے ابواب بالترتیب حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی، مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی، مولانا سید عبد اللہ حسنی ندوی، مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی، مولانا سید جعفر مسعود حسنی ندوی اور مولانا سید محمود حسنی ندوی رحمہم اللہ اجمعین کی طرف منسوب اور ان کے احوال و اوصاف، کمالات و امتیازات، اور ان کی یادوں اور باتوں سے عبارت ہیں۔ گرچہ ان حضرات کا تذکرہ اس سے قبل بھی خوب ہو چکا ہے، مجلّات کے خصوصی شمارے اور خصوصی گوشے نکل چکے ہیں؛ لیکن یہ مجموعۂ مضامین اپنی الگ شناخت کے لیے جانا جائے گا؛ کیونکہ اس میں یا تو مخصوص مضامین ہیں یا ملک کی نمایاں شخصیات اور ممتاز اہلِ قلم کی تحریریں ہیں۔

آٹھ سو تیس صفحات کی اس ضخیم جلد میں اول الذکر دو شخصیات کا حصہ کہیں زیادہ ہے، کہ ان کی حیثیت بھی بعد کے افراد کے لیے مربی و استاذ کی ہے۔

عمدہ سیٹنگ اور شاندار کاغذ اس نفیس طباعت کا امتیاز ہے۔

'معہد الامام حسن البنا بھٹکل' سے شائع ہو کر 'مکتبۃ الشباب العلمیہ، لکھنؤ' اور 'المنار پبلشنگ ہاؤس، دہلی' سے بھی طلب کی جا سکتی ہے، مجوزہ قیمت ۶۰۰/روپیہ ہے۔

رابطہ کے لیے: ۹۹۰۲۱۰۵۳۰۰

❁❁❁

# فرائض دین میں دعوتِ اسلام

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

ہندوستان کے موجودہ حالات ہمارے لیے تازیانۂ عبرت ہیں، ایک ہزار سال تک مسلمانوں نے یہاں اس طرح حکومت کی کہ کوئی طاقت ان کو چیلنج کرنے کی ہمت نہیں کر سکتی تھی، لیکن انہوں نے یہ پورا وقت اقتدار کے محل کو مضبوط کرنے اور بنانے سنوارنے میں صرف کر دیا اور چند مشائخ ربانی اور ایک دو نیک دل بادشاہوں کے علاوہ کسی نے اشاعت اسلام کی طرف توجہ نہیں دی، یہاں تک کہ علماء بھی ایک بڑی تعداد مناظرہ بازیوں اور باہمی آویزشوں کے نشہ میں مست رہی، پھر برطانوی استعمار کا ایک کوڑا قدرت کی جانب سے لگایا گیا جو کم و بیش دو سو سال ہم پر مسلط رہا، تقریباً دو سو سال کے اس عرصہ میں کچھ تو حالات کے تقاضے کے تحت اور کچھ طویل عرصہ سے بنے بنائے مزاج کے تحت دعوت اسلام کی طرف توجہ نہیں دی گئی، اس میں حضرت سید احمد شہیدؒ کے بعض خلفاء کا استثناء ہے، جنہوں نے برادرانِ وطن میں تبلیغ کی خدمت انجام دی، اب ملک کی آزادی کو پچہتر سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے، عیسائی بھائیوں نے اس وقفہ میں عیسائیت کی تبلیغ و اشاعت کی مہم چلائی اور اس عرصہ میں کئی ریاستوں کے نقشے بدل کر رکھ دیے، لیکن آہ! اور صد آہ! ہماری غفلت کوشی اور خود فراموشی کہ ہم اب بھی بیدار نہیں ہوئے، یہاں تک کہ فرائض دین میں دعوت اسلام کا ذکر تک باقی نہیں رہا، جو مسلمانوں پر عائد ہونے والا سب سے پہلا فریضہ تھا اور جو اس کا مقصد وجود تھا۔

❁❁

**طلباء کا صفحہ**

# جو عقل کا غلام ہو، وہ دل نہ کر قبول

سیف الاسلام (متعلم درجہ تکمیل، دارالعلو ندوۃ العلماء)

اللہ تعالیٰ نے ہر مخلوق کو شعور عطا کیا ہے اور عقل دی ہے، اور انسان کو جو چیزیں اشرف المخلوقات بناتی ہیں اس میں عقل کا بہت اہم کردار ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید میں جگہ جگہ عقل کے استعمال کی تاکید کی ہے: ”أَفَلَا تَعْقِلُوْنَ، أَفَلَا تُبْصِرُوْنَ، يَا أُوْلِي الْأَلْبَابِ“۔ اسی عقل کے ذریعہ انسان نے ترقی کی اور طرح طرح کے علوم و فنون میں مہارت حاصل کی۔ طب، فلسفہ، سائنس، علم الکلام، ریاضی اور اسی طرح کے بہت سے علوم پر لوگوں نے اپنے جوہر دکھائے۔

اسی فلسفہ اور سائنس کی ترقی دیکھ کر بہت سے مسلمان مغرب سے مرعوب ہوئے اور اسلام میں بہت سے روشن خیال اور آزاد عقل رکھنے والے لوگ پیدا ہوئے، جنھوں نے صرف قرآن ہی کو سب کچھ مانا اور حدیث، اجماع اور قیاس کو لغو قرار دے دیا۔

ان لوگوں نے قرآن کی آیات کی ایسی تاویلات شروع کردیں جو اصلاً اللہ کے کلام کی مراد نہیں بلکہ ان کی خود کی مراد تھی، اور جس عقل سلیم کو قرآنِ حکیم بتلاتا تھا اسے چھوڑ کر آزاد عقل کے پیروکار ہوگئے، اسلام کو پسماندہ دین سمجھنے لگے، اور زبردستی سائنس کے مطابق قرآنی آیات کی تشریحات کرنے لگے۔

اس کو ایک مثال سے یوں سمجھئے کہ جب دنیا میں یہ نظریہ عام ہوا کہ دنیا ساکن ہے اور دوسرے سیارے اس کے گرد حرکت کرتے ہیں تو لوگوں نے ”أَمَّنْ جَعَلَ الْأَرْضَ قَرَارًا“ کو پیش کردیا کہ دیکھو قرآن تو پہلے ہی کہتا تھا کہ دنیا ساکن ہے، حالانکہ صحیح تشریح یہ نہ تھی اور مقصد تو یہ بیان کرنا تھا کہ اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے کہ اس دنیا میں ہم راحت واطمینان کے ساتھ رہتے ہیں۔

پھر جب سائنس نے یہ نظریہ پیش کیا کہ دنیا متحرک ہے تو لوگوں نے ”وتری الجبال تحسبها جامدة وهي تمر مر السحاب“ کو لاکھڑا کیا کہ دیکھو قرآن تو پہلے ہی کہتا تھا کہ پہاڑ بادلوں کی طرح چل رہے ہیں۔ (ان لوگوں نے تَمُرُّ کا ترجمہ ”چل رہے ہیں“ سے کیا) اور ان کے چلنے سے مراد دنیا کا متحرک ہونا ہے، جب کہ جو شخص تھوڑی سی بھی عقل رکھتا ہو اور سیاق وسباق جانتا ہو تو وہ بہ آسانی بتا سکتا ہے کہ یہاں بات قیامت کی ہو رہی ہے اور مقصد تو یہ بیان کرنا ہے کہ تم قیامت کے دن پہاڑوں کو بادلوں کی طرح اڑتا ہوا دیکھوگے۔

اسی طریقہ سے وہ لوگ بھی گزرے ہیں جن کا ماننا تھا کہ قرآن کی ہر ہر آیت کا ایک باطنی معنی ہے اور ظاہر سے اس کا کوئی واسطہ نہیں ہے، بلکہ باطنیہ فرقہ کی بنیاد ہی اسی پر تھی، یہ قرآن کی آیات کی غلط تاویلات کرتے تھے، اس کے احکام کو توڑ مروڑ کر پیش کرتے تھے، بلکہ وہ تو ان تمام احکام کی حدود و قیود سے خود کو آزاد مانتے تھے، اور ہر چیز کی عقلی دلیل مانگتے تھے، باطنیہ فرقہ کا لیڈر عبیداللہ بن الحسن القیر وانی اپنی کتاب ”السياسة والبلاغ الأكيد والناموس الأعظم“ میں لکھتا ہے:

”اس سے زیادہ تعجب کی بات کیا ہوسکتی ہے کہ لوگ عقل کا دعویٰ کرنے کے باوجود اس قسم کی بے عقلیاں کرتے ہیں کہ ان کے پاس ایک حسین و جمیل بہن یا بیٹی موجود ہوتی ہے اور خود ان کی بیوی ایسی حسین نہیں ہوتی، اس کے باوجود وہ اس کو خود پر حرام سمجھتے ہیں اور ایک اجنبی شخص کے حوالے کردیتے ہیں، اگر یہ جاہل عقل سے کام لیتے تو انہیں یہ احساس ہوتا کہ ایک اجنبی سے زیادہ وہ خود اس کے حقدار تھے، دراصل اس کی ساری وجہ یہ ہے کہ ان کے رہنما نے ان پر دنیا کی لذتیں حرام کردی ہیں۔“ (الفرق بين الفرق للعبدالقاهر البغدادی: ص: ۲۹۷)

اس بات کی شناعت، گھٹیا پن اور خباثت اپنی جگہ لیکن ہم اس بات سے صرف نظر نہیں کرسکتے کہ ہم کتنی بھی کوشش کرلیں لیکن ایسی آزاد عقل رکھنے والے کی باتوں کا خالص عقلی جواب ہم نہیں دے سکتے، اگر آپ خالص عقلی جواب دینا بھی چاہیں گے تو یہی کہیں گے کہ انتہائی درجے کی بے حیائی ہے، تو جواب ہوگا کہ حیا اور بے حیائی کے تصورات تو مذہب، اخلاق اور سماج کے بنائے ہوئے ہیں، اور اگر آپ یہ کہیں گے کہ یہ غیر فطری عمل ہے تو جواب ہوگا کہ اس کے غیر فطری ہونے کی عقلی دلیل کیا ہے؟ مجملہ ہم کتنی بھی کوشش کرلیں مگر قیامت تک اس کی عقلی دلیل پیش نہ کرسکیں گے۔

اسی طور پر یہ ہوشمند، روشن خیال اور آزاد عقل رکھنے والے لوگ فرشتوں کا، حشر ونشر کا اور معجزات وغیرہ کا بھی انکار کرتے ہیں، اور ان تمام لوگوں کی سوئی اس بات پر آکر اٹکتی ہے کہ فلاں بات ہماری عقل سے خارج ہے لہٰذا ہم اس بات پر ایمان نہیں لاتے، پھر جب وہ ان چیزوں کا ذکر قرآن کریم میں

پڑھتے ہیں تو کچھ بھی تشریح کرنے لگ جاتے ہیں، بطور نظیر سرسیّد احمد خاں اپنی تفسیر میں آدم علیہ السلام، ابلیس اور فرشتوں کے واقعہ کے سلسلے میں لکھتے ہیں: ''ہم شروع سے اس قصہ (یعنی آدم علیہ السلام و ابلیس کے واقعہ) کو ایک واقعی قصہ نہیں سمجھتے۔'' اور پورے واقعہ کا خلاصہ ان الفاظ میں ادا کرتے ہیں: ''یہ فطرت انسانی خدا تعالیٰ نے باغ کے استعارہ میں بیان کی ہے، اس لئے تمام فطرت کو باغ ہی کے استعارہ میں بیان فرمایا ہے، سنِ رشد و تمیز کو پہنچنے کو درخت، معرفتِ خیر و شر کو پھل کھانے سے، انسان کا اپنی بدیوں کو چھپانے کو درخت کے پتوں سے ڈھانکنے سے تعبیر کیا گیا ہے، مگر شجرۃ الخلد کے پھل تک اس کو نہیں پہنچایا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ ایک فانی وجود ہے اور اس کو دائمی بقا نہیں۔''
(تفسیر القرآن: ۱/۱۰۹)

احکام ترے حق ہیں مگر اپنے مفسّر
تاویل سے قرآں کو بنا سکتے ہیں پاژند

اب جو شخص ذرا بھی تفسیر و علوم القرآن سے شغف رکھتا ہو، اور اللہ تعالیٰ نے اسے عقل سلیم عطا کی ہو وہ سمجھ سکتا ہے کہ ان تمام باطنی و مجازی معنی مراد لینے کی کوئی ضرورت نہیں، قرآن میں جگہ جگہ حضرت آدم علیہ السلام اور ابلیس کا واقعہ مذکور ہے اس لئے اس کی کسی تاویل و تشریح کی کوئی ضرورت نہیں، شاید انہی کے بارے میں شاعر مشرق علامہ اقبال نے فرمایا۔

صبح ازل یہ مجھ سے کہا جبرئیل نے
جو عقل کا غلام ہو وہ دل نہ کر قبول

لہٰذا جو بات انسان کو بعید نظر آتی ہو وہ ضروری نہیں کہ غیر یقینی ہو، اللہ تعالیٰ نے علم حاصل کرنے کے تین طریقہ رکھے ہیں، پہلا ہے حواسِ خمسہ، دوسرا ہے عقل کہ میرے سامنے بیٹھا شخص یوں ہی وجود میں نہیں آ گیا، اس کا ضرور باپ ہوگا اور ماں ہوگی، چہ جائیکہ وہ میرے سامنے موجود نہیں ہیں، لیکن محض عقل کی بنیاد پر مجھے یہ پتا ہے، اور تیسرا ہے وحی کہ خدائے وحدہٗ لاشریک نے انبیاء مبعوث فرمائے اور ان پر وحی بھیجی، جس سے معلوم ہوا کہ قیامت برپا ہوگی، حساب و کتاب ہوگا، ملائکہ و شیاطین ہوتے ہیں وغیرہ، اور اسی وحی کے ذریعہ ان پر احکام بھی اتارے، لہٰذا اگر ان احکام کی حکمت و علت میری ناقص عقل سمجھنے سے قاصر ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں ان پر عمل نہیں کروں گا یا ان کی غلط تشریح کروں گا، بلکہ بلا چوں و چرا ایمان و اطاعت لازم ہے، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''حجۃ اللہ البالغۃ'' (جو شریعت کے اسرار و رموز اور حکمت و علل کی وضاحت کے لئے لکھی ہے) میں لکھتے ہیں: ''یہ ہرگز جائز نہیں ہے کہ شریعت کے وہ احکام جو صحیح روایت سے ثابت ہوں ان پر عمل کرنے میں توقف کیا جائے کہ ہمیں ان کی مصلحت نہیں معلوم، کیونکہ بہت سے لوگوں کی عقلیں بہت سی مصلحتیں نہیں سمجھ سکتیں، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے نزدیک ہماری عقلوں سے زیادہ قابل اعتماد ہیں۔''

چنانچہ جب کوئی صریح حکم من جانب اللہ ہم پر اتارا گیا ہو تو اس پر آنکھ بند کر کے ایمان لانا ہم پر فرض ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ قرآن کی الٹی سیدھی تشریح کرنے سے اور کرنے والوں سے بچنا چاہئے اور جو احکام ہم پر نازل ہوئے ہیں چاہے ہم ان کی حکم و علل سے واقف نہ بھی ہوں تب بھی ہمیں ان پر عمل پیرا ہونا ہے۔

# قلب و باطن کی اصلاح

مولانا ڈاکٹر سعید الرحمن اعظمی ندوی

آج اگر ہم اپنی مجموعی زندگی کا جائزہ لیں تو ایک دو فیصدی بھی اسلامی زندگی کا کوئی حصہ اس میں نظر نہیں آئے گا، اس کی سب سے بڑی وجہ ہے کہ ہم مسائل کو صرف اسباب و وسائل کی راہ سے سوچتے ہیں، وسائل ہی کو ہم نے کامیابی اور ناکامی کا معیار تصور کر لیا ہے اور اسی نہج پر سوچنے کے ہم عادی ہو گئے ہیں، ایمان کی قوت، خدا پر توکل کی وہ عظیم طاقت جو مسلمانوں کا اصل سرچشمہ ہے، ہمارے اندر موجود نہیں رہی اور اسی چیز کے فقدان نے ہم کو آج اس سطح پر پہونچا دیا ہے، جہاں سے ہم کو بجز مادیت اور ظاہری اسباب و وسائل کے اور کچھ نظر نہیں آتا۔

موجودہ حالات کے پیش نظر مسلمانوں نے اگر کوئی کنونشن یا کانفرنس منعقد کی تو بلاشبہ اس کے اثرات نتیجہ خیز ہو سکتے ہیں، لیکن اپنی داخلی اصلاح اس کے ساتھ بیحد ضروری ہے۔ قلب و باطن جب تک صحیح نہ ہوگا اور اسلامی خصوصیات اور اپنی ملی روایتوں کو جب تک ہم نہیں اپنائیں گے اور اپنے وطن میں رہنے کا جب تک ہم عزم مصمم نہیں کریں گے، اس وقت تک پوری کامیابی ناممکن ہے۔

منزل بہ منزل

# دوروزہ مشاورتی اجلاس مدارس ملحقہ ندوۃ العلماء

## ۵-۶؍نومبر (بدھ-جمعرات) ۲۰۲۵ء

محمد نفیس خان ندوی (استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء)

۵-۶/نومبر کو ندوۃ العلماء میں ملحقہ مدارس کا دوروزہ سالانہ مشاورتی اجلاس منعقد ہوا جس میں سومنتخب مدارس کے دوسونمائندوں کو مدعو کیا گیا، اس اجلاس کا مقصد طلباء کی تعلیم وتربیت کے نظام کو مزید بہتر بنانے کے سلسلہ میں غور وخوض کرنا تھا، اس کی مختصر رپورٹ ملاحظہ کریں:

**افتتاحی نشست:** (۵ نومبر-بدھ)

اجلاس کی افتتاحی نشست حضرت مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی مدظلہ کی صدارت میں منعقد ہوئی۔ اس نشست کا آغاز قاری ریاض مظاہری کی تلاوت سے ہوا، اس کے بعد مولوی کفایت اللہ اور ان کے رفقاء نے دارالعلوم کا ترانہ پیش کیا۔

ناظم اجلاس مولانا کمال اختر ندوی (مشیر ناظر عام) نے مہمانوں کا استقبال کرتے ہوئے اجلاس کے مقاصد پر روشنی ڈالی اور اپنی گفتگو میں کہا کہ ندوۃ العلماء نے ترقی کا جو سفر شروع کیا تھا وہ آج بھی پوری آب وتاب کے ساتھ جاری ہے، ندوۃ العلماء کے دعوتی و تعلیمی شعبے نہ صرف پوری طرح سرگرم ہیں بلکہ حسب ضرورت نئے شعبے بھی قائم کیے جارہے ہیں تاکہ طلباء کی دینی وفکری تربیت کو مزید مستحکم کیا جاسکے، انھوں نے مہمانوں سے کہا کہ ندوہ کو اصل مواد انہیں ملحقہ مدارس سے ملتا ہے اس لیے بنیادی طور پر انہیں مدارس کے نظام کو مضبوط کرنے کی ضرورت ہے۔"

صدر محترم نے اپنے صدارتی خطاب میں فرمایا: "ندوۃ العلماء کسی چہار دیواری کا نام نہیں ہے، یہ ایک دبستان فکر ہے، دیگر اداروں کے مقاصد میں تفقہ فی الدین ہے لیکن ندوہ نے اپنے نصب العین میں تفقہ فی الدین کے ساتھ 'انذار قوم' کو بھی شامل کیا ہے۔ اس لیے ندوہ نے اپنے نظام تعلیم وتربیت میں اس بات کی طرف خصوصی توجہ دی ہے کہ یہاں کے فارغین کے دل ودماغ دونوں مطمئن ہوں اور اسلام کی حقانیت کو وہ عصری اسلوب میں پیش کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ مدارس میں بنیادی طور پر تعلیم کی طرف توجہ دی جاتی ہے جبکہ ندوہ میں تعلیم اور تربیت دونوں ایک ساتھ ہیں، اس لیے ہماری آج کی یہ مشاورتی اس نشست لحاظ سے بھی اہم ہے کہ اس کا مقصد ان پہلوؤں پر غور کرنا ہے جن سے تعلیم وتربیت کا نظام کو مزید بہتر کیا جاسکے، اور ہمارے ملحقہ مدارس اپنے اپنے علاقوں میں اہم دینی ضرورت کی تکمیل کرسکیں، اوران فتنوں کا مقابل کرسکیں جو نئی نئی شکلو میں سامنے آرہے ہیں جن میں سب سے اہم ارتداد کا مسئلہ ہے۔"

**پہلی نشست**: افتتاحی نشست کے بعد اجلاس کی پہلی مشاورتی نشست "**تعلیمی امور**" کے موضوع پر منعقد ہوئی۔

اس نشست کی نظامت مولانا سلمان نسیم ندوی نے کی، اور مہمانان گرامی نے تعلیم کے موضوع پر اپنی آراء اور مشورے پیش کیے۔

اس نشست میں مہمان خصوصی کے طور پر مولانا عمیر الصدیق دریابادی ندوی نے شرکت کی، انھوں نے اپنے خطاب میں کہا کہ انتظامی طور پر یہ مشاورتی نشست بہت اہم اور ضروری ہے اور اس کے بہترین نتائج بھی سامنے آئیں گے لیکن اس کے ساتھ ہم کو اس تعلیم کو تربیت سے اور تربیت کو تزکیہ سے جوڑنا چاہیے، طلباء خام مال ہوتے ہیں، وہ لائق نہیں ہوتے، یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم ان کو لائق بنائیں، اور اس کے لیے نصاب کے ساتھ اساتذہ کا اخلاص وللہیت اوران کی دردمندی وفکرمندی بھی ضروری ہے۔

کلیدی خطاب مولانا عمار حسنی ندوی (ناظر عام ندوۃ العلماء) کا ہوا، مولانا نے تعلیم کی اہمیت و ضرورت کے ساتھ مدارس کو درپیش چیلنجز کا تذکرہ کیا اور مدارس کے نظام کو مضبوط بنانے کے لیے کہا کہ خاص کر اساتذہ وذمہ داروں کو اعلی اخلاق کا حامل ہونا چاہیے، اساتذہ کے اندر تدریسی صلاحیت کے ساتھ دینی مزاج ودینی حمیت بھی ضروری ہے، اس کے طلباء کے ساتھ حسن سلوک کرنا چاہیے اوران کی ضرورتوں کو سمجھ کر ان سے معاملہ کرنا چاہیے تاکہ یہاں سے ایسے علماء تیار ہوسکیں جو معاشرہ کی دینی رہنمائی کا فریضہ بحسن وخوبی انجام دے سکیں۔

اس نشست کی صدارت مولانا عبدالعزیز بھٹکلی ندوی (قائم مقام مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء) نے کی، انھوں نے اپنے صدارتی خطاب میں کہا کہ دنیا میں جو بھی خیر کا کام ہے وہ سب انتخاب کی وجہ

سے ہوتا ہے، جب اللہ کی طرف سے انتخاب ہوتا ہے تو بندہ کو نیک کام کی توفیق بھی ملتی ہے، اللہ نے ہمارا انتخاب کیا ہے جس کی ہم کو قدر کرنی چاہیے۔

انھوں نے مزید کہا کہ مدرسہ صرف سرسری مطالعہ کا مرکز نہیں ہے بلکہ یہ دینی اسپرٹ پیدا کرنے کی جگہ ہے۔ مولانا نے مزید کہا کہ یہ سارا نظام تعلیم وتربیت اس لیے ہے کہ ہمارے اندر مزاج نبوی پیدا ہوسکے تاکہ ہم دین کو اس کی اصل روح کے ساتھ سمجھ سکیں۔

**دوسری نشست:** اجلاس کی دوسری نشست بعد نماز مغرب حضرت مولانا نیاز احمد ندوی دامت برکاتہم کی زیر صدارت منعقد ہوئی۔ نظامت کے فرائض مولانا خالد باندوی ندوی نے انجام دیے۔

اس نشست کا موضوع "**تربیتی امور**" تھا، حاضرین مجلس نے اس موضوع پر اپنی گرانقدر آرا اور مشورے پیش کیے۔

صدر مجلس نے اپنے خطاب میں فرمایا کہ تربیت کے لیے سب سے پہلے ضروری ہے کہ جو کچھ ہم کہتے ہیں پہلے خود اس پر عمل کرنے والے بن جائیں کیونکہ طلباء ہم کو دیکھ کر ہی سیکھتے ہیں، ہم اگر سنتوں کے پابند ہوں گے تو طلباء فرائض کی پابندی کریں گے۔

مولانا نے مزید فرمایا کہ: تعلیم کے بغیر تربیت ممکن نہیں ہے، اور تعلیم وتربیت ان دونوں کے لیے 'پوری محنت' اور 'پوری محبت' ضروری ہے، اور تربیت میں سب اہم پہلو عقیدہ کی اصلاح کا ہے، ہمارے یہاں اس طرف توجہ کم ہورہی ہے، کیونکہ تربیت میں سب سے اہم فکر اور عقیدہ کا درست ہونا ہے، اگر اس میں کوتاہی ہوئی تو باقی ساری چیزیں ناکام ہوجائیں گی۔

**تیسری نشست:** (۶رنومبر-بدھ)

مشاورتی اجلاس کی تیسری نشست حضرت مولانا محمد خالد غازی پوری ندوی کی صدارت میں منعقد ہوئی، نظامت کے فرائض مولانا شیخ ابراراحمد ندوی نے انجام دیے۔

اس نشست کا موضوع "**دعوتی امور**" تھا، جس کے تحت مولانا محمد علاء الدین ندوی (صدر شعبہ عربی) کا کلیدی خطاب ہوا، آپ نے اپنے خطاب میں کہا کہ" کیا وجہ ہے کہ آج تعلیم کا اتنا غلغلہ ہے، اتنے مدارس ہیں، علوم کی کثرت ہے لیکن وہ نسل انسانی دوبارہ تیار نہیں ہوسکی جس کی مدح سرائی قرآن کریم کرتا ہے، اس نسل انسانی کے بعد اتنی بڑی تعداد میں کسی ایک وقت میں وہ نسل دوبارہ کیوں پیدا نہیں ہوئی؟ حالانکہ جس قرآن نے ان کو بنایا، جس اللہ کے رسول ﷺ کے اسوہ حسنہ نے ان کی تربیت کی وہ سیرت وکردار آج بھی موجود ہے، اس میں کوئی کمی بیشی نہیں کی ہے، سیرت کا خزانہ بھی ہے، اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اللہ رسول ﷺ کے دعوتی منصوبہ میں یہ بات شامل تھی کہ صرف ایک سرچشمہ سے سیرابی حاصل کی جائے گی اور وہ ہے قرآن کریم، اس نسل انسانی نے خود کو قرآن کریم کے سانچہ میں ڈھال لیا تھا۔ اس لیے وہ مثالی تھے، آج اسی چیز کی کمی ہے۔"

اس نشست میں مندوبین حضرات نے "دعوتی امور" سے متعلق اپنی آرا بھی پیش کیں۔

اخیر میں صدر مجلس مولانا خالد غازیپوری ندوی کا خطاب ہوا جس میں آپ نے فرمایا کہ "علم و دعوت ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوسکتے، دعوت علم کے بغیر وجود میں نہیں آسکتی اور علم دعوت کے بغیر آگے نہیں بڑھ سکتا، انسان کی ساری مخلوق پر فضیلت کی وجہ یہ ہے کہ انسان کو خلافت یعنی دعوت کا تاج پہنایا گیا، قرآن مجید کا نزول بھی تیئس سال کی مدت میں اسی لیے ہوتا کہ دعوت کا کام بتدریج ہوتا رہے۔ اللہ نے ہمیں علم کی دولت سے نوازا ہے، یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ دعوت کے ذریعہ اس حقیقی علم کو دوسروں تک بھی پہنچائیں"

**اختتامی نشست:** اس کے فوراً بعد حضرت مولانا محمد زکریا سنبھلی کی صدارت اختتامی نشست منعقد ہوئی جس کی نظامت مولانا کمال اختر ندوی نے انجام دی۔

ناظم ندوہ کے کلیدی خطاب سے قبل ندوہ کے کارگذار مہتمم مولانا عبدالعزیز بھٹکلی ندوی کا اہم خطاب ہوا، انھوں نے اپنے خطاب میں تعلیم وتربیت کے مختلف پہلوؤں پر گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ اس سلسلہ میں ضرور غور کرنا چاہیے کہ ندوہ کے قیام کا مقصد کیا تھا، اُس وقت بڑے بڑے ادارے موجود تھے، ندوہ نے ان اداروں کے تقدس معمولی نہیں سمجھا، لیکن اس کے باوجود ندہ کی ضرورت کیوں تھی، اور یہ وہ فکر تھی جس کو حضرت مولاناؒ ایک جملہ میں یوں سمجھئے کہ تنہا اسلام سے محبت کافی نہیں ہے، بلکہ خلاف اسلام فلسفوں سے نفرت بھی لازم ہے، اور اسی طرح تنہا دل کا مؤمن ہونا کافی نہیں ہے دماغ کا مؤمن ہونا بھی ضروری ہے، اس وقت ہمارے مدارس میں سب کچھ تھا، ایک عالمی جنگ ہوچکی تھی اور دوسری ابھی ہونے والی تھی لیکن ندوہ کے بانیوں نے دیکھ لیا تھا حالات بدلنے والے ہیں، دنیا کروٹ لینے والی ہے ہمیں ان حالات کے بدلنے سے پہلے افراد سازی کرنی ہے، اسی فکر وجذبہ کی بنیاد پر ندوہ کا قیام عمل میں آیا۔ اس فکر کو سمجھنے کے لیے طلبائے ندوہ کو خاص کر حیات شبلی، حیات عبدالحی، سیرت مولانا محمد علی مونگیری کا مطالعہ کرنا چاہیے۔"

کلیدی خطاب کے بعد راقم سطور نے دو روزہ پروگرام کی تجاویز پیش کیں۔

تجاویز کے بعد حضرت مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی مدظلہ نے مختلف نشستوں میں پیش کی گئیں آراء و مشورے اور مستقبل کے عزائم و مختلف ذمہ داریوں کے سامنے رکھتے ہوئے اہم خطاب فرمایا جس میں آپ نے علماء کو اپنا مقام و مرتبہ پہچاننے اور اپنی ذمہ داریوں کو سمجھنے کی طرف متوجہ کرتے ہوئے کہا:

’’آج اتنی بڑی تعداد میں جو مدارس کے نمائندے یہاں موجود ہیں ہیں حقیقت میں وہ دین کے نمائندے ہیں، وہ اللہ کے نبی ﷺ کے نمائندے ہیں ، جب ہمارے اندر یہ جذبہ پیدا ہوگا کہ ہم نمائندۂ رسول ہیں، ہم حقیقت میں اسلام کے نمائندے ہیں، ہم کو دیکھا جاتا ہے تو ہم کو نہیں دیکھا جاتا بلکہ اسلام کو دیکھا جاتا ہے، سرکار دو عالم ﷺ کے نائبین کو دیکھا جاتا ہے، جب تک یہ ایمانی قوت اور یہ ایمانی جذبہ پیدا نہیں ہوگا، ہم ظاہری اسباب کیسے ہی اختیار کرلیں اور اس کے لیے کیسی ہی کوشش کرلیں ہم کوئی بہت زیادہ کامیابی حاصل نہیں کرسکیں گے۔‘‘

اس کلیدی خطاب کے بعد مولانا ڈاکٹر محمد وثیق ندوی کی عربی تصنیف ’’الشیخ محمد واضح رشید الحسني الندوی -حیاته، افکاره، ماثره‘‘ کا اجراعمل میں آیا۔

مولانا محمد خالد ندوی باندوی نے کتاب کا تعارف کراتے ہوئے کہ یہ سوانح مولانا واضح رشید حسنی ندوی کی زندگی کا ایک انسائیکلو پیڈیا ہے، مولانا ایک جامع کمالات شخص تھے، ان کا قلم ایک طرف مغرب کے مکروہ چہرہ کی نقاب کشائی کرتا تھا تو دوسری طرف اسلام کی حقانیت اور اس کی عالمگیر صداقت کا اعلان بھی کرتا تھا، ان کی ذات قدیم صالح وجدید نافع کا ایک حسین سنگم تھی، وہ مصنف بھی تھے اور مصنف گر بھی تھے، ان کی صحبت کیمیا اثر نے نہ جانے کتنے افراد کو مفکرین کی صف میں لا کھڑا کیا۔ یہ کتاب ایک علمی وفکری عہد کا جامع مرقع ہے جس میں علم وفکر کے قابل تقلید عملی نمونے موجود ہیں۔ اس کتاب اور اس کے موضوع کا حق تو یہ تھا کہ ایک مستقل سیمینار منعقد کیا جاتا اور اس پر مستقل مقالے لکھے جاتے اور طلباء واساتذہ سب کو مولانا کی عبقری شخصیت سے واقف کرایا جاتا۔

اخیر میں صدر مجلس مولانا محمد زکریا سنبھلی مدظلہ نے خطاب فرمایا، انھوں مطالعہ کی اہمیت وضرورت پر گفتگو کرتے ہوئے کہ کہا بغیر مطالعہ کے استطاعت پیدا ہو ہی نہیں سکتی ، بغیر مطالعہ کے ایسے ہی جیسے بغیر بنیاد کے عمارت، ہمیں شکوہ ہے کہ طلباء قرآن پڑھنے آرہے ہیں، بخاری و مسلم پڑھنے آرہے ہیں اور بغیر مطالعہ کے آجاتے ہیں، میں ملحقہ مدارس کے ذمہ داراوں اور اساتذہ سے گذارش کرتا ہوں کہ طلباء کے اندر مطالعہ کا مزاج پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ انھوں نے مزید کہا کہ طلباء کو سمجھانے کی ضرورت ہو کہ ہم تمھارے خیر خواہ ہیں، ہم کو تمھاری فکر ہے تاکہ کل جب تم عوام کے سامنے پہنچو تو تم کو اپنی کسی طرح کی کمی احساس نہ ہو، لیکن یہ بھی خیال رہے کہ خارجی مطالعہ خارجی اوقات میں کرنا چاہیے۔ مولانا نے مزید کہا کہ طلباء کو سنت کا پابند بنانے کی فکر کیجیے، بے خیالی میں بھی سنت کے خلاف کام نہیں ہونا چاہیے، ہماری حقیقی کامیابی سنتوں کی پابندی میں ہے، اور یہ ساری نظام اسی لیے ہے کہ ہم علمی لحاظ سے بھی کامیاب ہوں اور دینی اعتبار سے کامیاب ہوں۔

نشستوں کے اختتام پر مولانا کفیل احمد ندوی نے تمام شرکائے اجلاس کا شکریہ ادا کیا، اور صدر محترم کی دعا پر یہ اجلاس اختتام پذیر ہوا۔

❁ ❁ ❁

## دعا

محمد سمعان خلیفہ ندوی (بھٹکل)

مئے عشق مجھ کو پلا دیجیے
مجھے اپنا شیدا بنا دیجیے

ادا دل بری کی عطا کیجیے
مجھے عاشقی کی نوا دیجیے

کثافت کی بے شک تہیں جم گئیں
مرے دل سے غفلت ہٹا دیجیے

ملوث کبھی معصیت سے نہ ہو
طہارت کی ایسی قبا دیجیے

نگاہیں نہ اٹھیں کسی رخ پہ اب
مجھے رازِ الفت سکھا دیجیے

قدم ڈگمگانے نہ پائیں کبھی
مرے دل کو قبلہ نما دیجیے

مجھے میرے عیبوں سے واقف کرے
مرے دل کو وہ آئنہ دیجیے

بہل جائے دل جس سے ایسا کوئی
نوا سنج ونغمہ سرا دیجیے

کرم کیجیے اپنے سمعانؔ پر
غم عاشقی کا مزا دیجیے

❁ ❁ ❁

**فقہی مسائل**

# سوال و جواب

مفتی محمد ظفر عالم ندوی (استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء)

**سوال:** کیا عورت اپنے داماد کے ساتھ عمرہ کے سفر میں جاسکتی ہے؟

**جواب:** عورت اپنے داماد کے ساتھ عمرہ کے لیے جاسکتی ہے، لیکن اگر فتنہ کا اندیشہ ہوتو نہ جائے، داماد چونکہ محرم ہوتے ہیں اس لیے ان کے ساتھ سفر حج اور عمرہ میں جانے کی اجازت ہے، صحیح بخاری کی حدیث ہے: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نسبی سات قسم کی عورتیں حرام ہیں، اسی طرح سات قسم کی سسرالی عورتیں بھی حرام ہیں۔ [صحیح بخاری: ۵۱۰۵]

بسا اوقات انسان جواں عمر ہوتا ہے اور فتنہ کا اندیشہ رہتا ہے، اس صورت میں فقہاء نے منع فرمایا ہے، علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ نے صراحت کی ہے کہ ایسے محرم رشتہ دار جن کی طرف سے اطمینان نہ ہو عورت کے لیے ان کے ساتھ سفر کرنا جائز نہیں:

ولهذا قالوا: إن المحرم إذا لم يكن مأموناً عليه لم يجز لها أن تسافر معه.

[بدائع الصنائع: ۱۲۴/ ۲]

**سوال:** کیا عورت بغیر محرم کے عمرہ کے لیے جاسکتی ہے؟

**جواب:** عورت بغیر محرم کے سفر شرعی نہیں کرسکتی، مسلم شریف کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی ایسی عورت کے لیے جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتی ہو، بغیر محرم کے تین دن یا تین رات کا سفر کرنا حلال نہیں ہے۔ [مسلم: ۱۳۳۸]

اسی طرح بغیر محرم کے عمرہ کے لیے بھی نہیں جاسکتی، ہاں: اگر عورت عمر رسیدہ ہو اور عمرہ کے لیے جانے میں فتنہ کا اندیشہ نہ ہو تو ان کے لیے عورتوں کے قافلہ کے ساتھ جانے کی گنجائش ہے:

أما العجوز التي لا تشتهي فلا بأس بمصافحتها ومس يدها إذا أمن ومتى جاز المس جاز سفره لها، ويخلوا إذا أمن عليه وعليها، وإلا لا. [الدر المختار: ۳۶۸/ ۶]

**سوال:** اگر کینسر یا کسی اور وجہ سے سر کے بال گر گئے ہوں، تو حج وعمرہ میں قصر کس طرح کیا جائے گا اور حلال ہونے کی کیا شکل ہوگی؟

**جواب:** جس کے سر پر بالکل بال نہ ہوں تو اس کے حلال یعنی احرام سے نکلنے کی شکل یہ ہے کہ سر پر صرف استرہ پھیر دیں، چاہے کچھ بال ہو یا نہ ہوں۔

قوله: ويجب إجراء الموسى على الأقرع هو المختار كما في الزيلعي والبحر واللباب وغيرها. [فتاویٰ ہندیہ: ۵۱۶/ ۲]

**سوال:** اگر طواف یا سعی کرتے ہوئے مخصوص ناپاکی کی حالت شروع ہوجائے تو عورت کیا کرے؟

**جواب:** اگر طواف کرتے ہوئے مخصوص ناپاکی کی حالت شروع ہو جائے تو فوری طور پر طواف روک دے اور پاک ہونے کے بعد طواف کرے، اور اگر سعی کے دوران یہ حالت شروع ہوجائے تو اسی حال میں سعی کرتی رہے، کیونکہ سعی کے صحیح ہونے کے لیے طہارت شرط نہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ سعی مسجد حرام کے حدود سے باہر ہے۔

ولا يجب فيه الطهارة عن الجنابة و الحيض سواء كان سعي عمرة أو حج، وحيضها لا يمنع إلا الطواف فهو حرام. [غنية الناسك: ۱۷۵، ۱۲۵]

**سوال:** انجکشن یا دوا کے ذریعہ عورت کے لیے مخصوص ایام کا خون بند کروانا درست ہے یا نہیں؟ چونکہ بعض خواتین حج اور عمرہ میں جاتی ہیں اور انہیں وہاں ناپاکی کے دن آنے کا اندیشہ رہتا ہے تو خون روکنے کے لیے یا تو انجکشن لگوالیتی ہیں یا دوا استعمال کرتی ہیں، کیا شرع میں ایسی تدبیر کرنے کی اجازت ہے؟

**جواب:** انجکشن یا دوا کے ذریعہ مخصوص ایام کا خون بند کروانے کی تدبیر اختیار کرنے کی اجازت اس صورت میں ہے جبکہ کسی نقصان کا اندیشہ نہ ہو، ورنہ اس کی اجازت نہیں ہوگی، کیونکہ انسان کے لیے اپنے نفس کی حفاظت لازم ہے، تاہم اگر کوئی عورت خون روکنے کی دوا استعمال کر لے اور خون روک جائے تو وہ پاک سمجھی جائے گی۔

إذا استعملت دواء ينقطع به الحيض في غير وقته فإنه يعتبر طهراً وتنقضي به العدة على أنه لا يجوز للمرأة أن تمنع حيضها أو تستعجل إنزاله إذا كان ذلك يضر صحتها لأن المحافظة على الصحة واجبة.

[الفقه على المذاهب الأربعة]

**سوال:** کس مہینہ میں عمرہ کرنا افضل ہے؟

**جواب:** عمرہ رمضان المبارک کے مہینہ میں کرنا افضل ہے، اس لیے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رمضان المبارک کا عمرہ حج کا ثواب رکھتا ہے۔ قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: يا أم سليم! عمرة في رمضان تعدل حجة۔ [صحیح ابن حبان: ۳۶۹۱]

**NADWATUL-ULAMA**
PO. BOX 93, TAGORE MARG, LUCKNOW
226007 U. P. (INDIA)

**ندوۃ العلماء**
پوسٹ باکس ۹۳، ٹیگور مارگ، لکھنؤ
۲۲۶۰۰۷ یوپی (ہند)

باسمہ تعالےٰ

Date 10th December 2025

تاریخ ۱۰ر دسمبر ۲۰۲۵ء

# اہلِ خیر حضرات سے

اللہ تعالیٰ کا شکر و احسان ہے کہ حضرت ناظم صاحب ندوۃ العلماء مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی دامت برکاتہم کی سرپرستی میں ندوۃ العلماء اپنی علمی، دینی، تعلیمی وتربیتی خدمات انجام دے رہا ہے، اوران بیش قیمت اصولوں کو سینے سے لگائے ہوئے ہے جن کے لیے ندوۃ العلماء کو قائم کیا گیا تھا، یعنی جدید زمانہ میں اسلام کی مؤثر اور صحیح ترجمانی، دین و دنیا کی جامعیت اور علم وروحانیت کے اجتماع کی کوشش، فتنۂ لادینیت اور ذہنی ارتداد کا مقابلہ، اسلام پر اعتماد اور اسلامی علوم کی برتری وامتیاز کا اعلان واظہار، دین حق سے وفاداری اور شریعت پر استقامت۔

آپ سے ہماری درخواست ہے کہ وقت کی اس ضرورت اور دارالعلوم ندوۃ العلماء کی افادیت کو سمجھتے ہوئے پوری فراخدلی، فیاضی اور ہمت سے کام لے کر ان تمام کاموں میں بھرپور تعاون واعانت فرمائیں کہ ہندوستان میں دین کے قلعوں کی حفاظت کی اس سے بہتر کوئی سبیل اور اس سے زیادہ پائدار کوئی صدقہ جاریہ نہیں۔

لہٰذا آپ حضرات سے گزارش ہے کہ اپنے صدقات وعطیات چیک یا ڈرافٹ کے ذریعہ اور آن لائن ندوۃ العلماء کے مندرجہ ذیل اکاؤنٹ میں منتقل فرمائیں، ایسے نازک اور مشکل حالات میں ندوۃ العلماء کے ساتھ آپ کا تعاون نہایت اہمیت رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کی کاوشوں کو قبول فرمائے اور ان کو ہمارے لیے ذخیرۂ آخرت بنائے، آمین۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| (مولانا ڈاکٹر) تقی الدین ندوی | (ڈاکٹر) محمد اسلم صدیقی | (مولانا ڈاکٹر) سعید الرحمٰن اعظمی ندوی | (مولانا) محمد عمار حسنی ندوی |
| معتمد تعلیم ندوۃ العلماء | معتمد مال ندوۃ العلماء | مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء | ناظر عام ندوۃ العلماء |

نوٹ: چیک/ڈرافٹ پر صرف یہ لکھیں:

**NADWATUL ULAMA**

اوراس پتہ پر ارسال کریں:

**Nizamat office, Nadwatul Ulama,**
Tagore Marge, Lucknow - 226007 (U.P.)

معطیان کرام! براہ کرم اپنے عطیات ارسال کرنے کے بعد مندرجہ ذیل نمبر

**+91-8736833376**

پر مطلع فرمانے کی زحمت کریں، اس سے دفتری کاروائی میں سہولت ہوگی۔

فجزاکم اللہ خیر الجزاء

**NADWATUL ULAMA**

| | |
|---|---|
| عطیات | A/c No. 1086 3759 711 |
| تعمیرات | A/c No. 1086 3759 733 |
| زکوٰۃ | A/c No. 1086 3759 766 |

IFSC CODE : SBIN0000125 - STATE BANK OF INDIA, MAIN BRANCH, LUCKNOW

ONLINE DONATION LINK
https://www.nadwa.in/donation/

website : www.nadwa.in
Email : nizamat@nadwa.in

نوٹ: ندوۃ العلماء لکھنؤ کو دیا گیا تعاون سیکشن 80G انکم ٹیکس ایکٹ ۱۹۶۱ء کے تحت انکم ٹیکس سے مستثنیٰ ہوگا